

مورث



مستند حسرت

مُورِثَت

(ڈرامے)

مُتَشَهَّرٌ مَدِينِ قَارِط



سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور

891.4392 Mustansar Hussain Tarar
Moorat / Mustansar Hussain Tarar
- Lahore : Sang - e - Meel Publications,
2000.
215p.
1. Urdu Adab 2. Drama
1. Title

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/مصنف سے باقاعدہ
تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا اگر اس قسم کی
کوئی بھی صورت حال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے

2000.

نیاز احمد نے

سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

قیمت =

ISBN 969-35-0002-4

Sang-e-Meel Publications

25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), PO Box 997 Lahore 54000 Pakistan
Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: info@sang-e-meel.com

Chowk Urdu Bazar Lahore Pakistan Phone 7667970

کمپائٹن پرنٹرز، لاہور

- مُورَت ۷
- دشتِ تنہائی ۳۹
- عبرتِ بدنام کیا ۷۳
- پانی کا قیدی ۱۱۴
- مہاک ۱۴۵
- جنگل میں راستہ ۱۸۱

انتساب

زبیر حسین تارڑ کے لیے
جو میرے لیے اب بھی
پھوٹا جو ہے!

مُورث

اگر آپ نے میرے یہ کھیل ٹیلی وژن پر نہیں دیکھے تو انہیں یہاں دیکھ لیجیے۔ اور اگر آپ نے میرے یہ کھیل ٹیلی وژن پر دیکھے ہیں تو پھر بھی انہیں یہاں دیکھ لیجیے تاکہ آپ جان جائیں کہ ڈرامہ نگار کیا لکھتا ہے اور جب یہ ڈرامہ پروڈیوسر اور اداکار کے ہاتھوں میں جاتا ہے تو اس کی شکل کیا بنتی ہے..... کبھی تو یہ شکل ایسی حسین بنتی ہے کہ خود ڈرامہ نگار دنگ رہ جاتا ہے اور کبھی بلکہ اکثر اوقات یہ شکل ایسی ہوتی ہے کہ ڈرامہ نگار اسے دیکھتا ہے اور اسے رونا آتا ہے اور آتا چلا جاتا ہے..... اب دیکھتے ہیں کہ آپ انہیں پڑھ کر دنگ رہتے میں یاروتے ہیں..... یہ آپ کی اور میری قسمت...!

مُستنصر حسین تارڑ

○ مُوت

حضرت فرید الدین عطار کی بے مثل کتاب تصوف منطق الطیر میں بیان ہے کہ ایک مرتبہ کل جہان کے کچھیر اپنے آقا، اپنے بادشاہ سی مرغ کی تلاش میں ماہل پرواز ہوئے۔ سالہا سال بعد جب وہ تپتے صحراؤں، برفانی پہاڑوں اور موت کی سات وادیوں کو عبور کر کے بالآخر کاف کی پہاڑی کے قریب پہنچے تو لاکھوں پرندوں میں سے صرف گیارہ باقی رہ گئے تھے۔ باقی تمام سفر کی صعوبتوں میں مرگ سے ہکنا ہوئے۔ یہ گیارہ پرندے مختلف دروازوں میں سے گزرے اور آخر کار ان کے سامنے ایک ایسا پردہ آیا، جس کے پیچھے سیمرغ پوشیدہ تھا۔ ان کا بادشاہ، سب سے بڑا سچ-پردہ اٹھا تو انہوں نے دیکھا جیسے ان کے سامنے ایک آئینہ ہے، جس میں ان کا اپنا عکس دکھائی دے رہا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے انہی کی شکل کے گیارہ پرندے بیٹھے ہوئے ہیں، وہ خود ہی سچ تھے۔ وہ خود ہی سب سے بڑی سچائی تھے۔

پہلا منظر

تیمور پہاڑی گھر کے گیٹ میں سے اندر داخل ہوتا ہے۔ ہاتھ میں سیاہ بیگ، قبہتی کاریں کھڑی ہیں، پورے گھر میں ایک نظر ڈالتے ہیں۔ یہ گھر پرانی وضع کا وکٹورین ٹائپ ہے۔ بام و دروازے نہیں نیم تاریکی ہے، کبھی کبھار بجلی کی چمک،

صدر دروازے کی گھنٹی بجاتا ہے۔ ایک شخص بوٹائی اور لمبے کوٹ میں ملبوس دروازہ کھولتا ہے۔ بہت میکانکی انداز میں۔

تیمور :- دیکھئے یہ گھر...

بٹلر :- جی اندر تشریف لائیے۔ آپ کا بیگ۔

لینے کے لیے ہاتھ پڑھاتا ہے

تیمور :- (انکار میں سر ہلا کر) شکریہ۔

بٹلر آگے بڑھ کر ایک دروازہ کھولتا ہے۔ ایک وسیع ہال نما کمرہ۔ پرانی نصابی پڑی بڑی قیمتی صوفے۔ سامنے ایک صوفے پر مورت خاں کالی مائی ساڑھی میں سر جھکائے بیٹھی ہے۔ دونوں طرف سیدھی قطار میں صوفوں پر آٹھ دس شخص بہترین سوٹوں میں ملبوس بیٹھے ہیں۔ جب دروازہ کھلتا ہے تو ایک شخص دائیں ہاتھ سے اٹھ کر مورت کے پاس جاتا ہے، جھک کر چند الفاظ کہتا ہے۔ مورت اس کی جانب دیکھے بغیر کچھ کہتی ہے۔ وہ شخص تیمور کے قریب سے گزر کر باہر چلا جاتا ہے۔ پھر بائیں ہاتھ سے ایک شخص اٹھتا ہے۔ تیمور بھی ایک خالی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے۔

شخص ۱ :- مس مورت خاں میں تو بیان نہیں کر سکتا۔

مورت :- جیلانی صاحب آپ تشریف لائے۔ آپ کی ہمدردی کے لیے شکریہ۔

بہت بہت شکریہ۔

شخص ۲ کمرے سے باہر جاتا ہے۔

شخص ۳ :- مس مورت خاں آپ کے والد کی ڈیٹھ ایک عظیم المیہ ہے۔

مورت :- اگھر صاحب آپ تشریف لائے آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔ بہت

بہت شکریہ۔

شخص ۴ کمرے سے باہر جاتا ہے۔

شخص^۳ :- مس مورت خاں کیا عرض کروں میرے لائق کوئی خدمت خان صاحب
میرے عزیز دوست تھے۔

جیب سے رومال نکال کر خشک آنکھیں پونچھتا ہے۔

مورت :- اظہر صاحب۔ آپ تشریف لائے، آپ کی ہمدردی کا شکریہ بہت
بہت شکریہ۔

تیمور ایک جمہا ہی لیتا ہے اور ٹھوڑی پر ماتھ رکھ کر لائق ہو جاتا ہے۔
بیک گراؤنڈ میں شخص اسی طرح اٹھ کر اظہارِ عزت کر رہے ہیں، مگر آواز نہیں آ
رہی، بالآخر کمرہ خالی ہو جاتا ہے۔ تیمور بستور گم سم بیٹھا ہے۔ مورت اسکی جانب
دیکھ کر ہلکا سا کھانتی ہے۔ تیمور چونک کر اٹھتا ہے اور پاس جا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔
تیمور :- مس مورت ناں مجھے بے حد افسوس ہے۔

مورت :- جی میں۔ (اسے دیکھتی ہے تو پہرہ اجنبی ہے) آپ کا نام؟

تیمور :- مجھے تیمور کہتے ہیں۔

مورت :- تیمور صاحب آپ تشریف لائے۔ آپ کی ہمدردی کا شکریہ بہت
بہت شکریہ۔

غاموش ہو جاتی ہے سر اٹھا کر دیکھتی ہے تو خلاف توقع تیمور کھڑا ہے تیمور ایک دم
سر جھٹک کر واپس جاتا ہے اور اپنا بیگ اٹھا کر واپس آتا ہے۔

تیمور :- (کاروباری انداز میں) جیسا کہ میں نے عرض کیا، میرا نام تیمور ہے اور
مس مورت خاں میں اس وقت یہاں۔ انٹرنل لائف انشورنس کمپنی کے نمائند

کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں۔ انٹرنل لائف انشورنس کمپنی جو ادا بیگیوں کے
معاملے میں تمام کمپنیوں پر سبقت رکھتی ہے۔ آپ کے والد مرحوم نے
فوتیگی سے صرف چند روز پیشتر بیمہ کر دیا، مگر اس کے باوجود ہماری

کارکردگی ملاحظہ فرمائیے۔ اُدھر وہ فوت ہوئے اور ادھر... دیگ میں سے ایک چیک نکال کر مورت کے سامنے رکھتا ہے، اہم اس تین لاکھ روپے کے کلیم چیک کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر (واو طلب نگاہوں سے دیکھتا ہے مورت خاموش رہتی ہے)۔ اہم... دیگ میں سے ایک اور کاغذ نکال کر یہاں پر دھولی کے لیے دستخط کر دیکھیے۔ (مورت دستخط کرتی ہے) مس مورت خاں اس وقت آپ یقیناً بے پناہ مسرت محسوس کر رہی ہوں گی۔

مورت :- جی ہاں۔ اس وقت میں مسرت کے اظہار کے طور پر ہی تو سیاہ ساڑھی میں ملبوس بیٹھی ہوں۔

تیمور :- (اسی جوش میں) یقیناً (سنجھل کر) دراصل میں یہ چاہتا تھا کہ...

وہ... بہر حال آئندہ بھی خدمت کا موقع ضرور دیکھیے گا۔ (کارڈ نکال کر

میز پر رکھتا ہے۔ بیگ بند کر کے جانے لگتا ہے) مجھے اجازت دیجیئے۔

مورت :- (جب تیمور دروازے تک پہنچ جاتا ہے تو کہتی ہے) تیمور صاحب -

(تیمور مڑتا ہے) رات ہے... شاید بارش ہو... آپ کے پاس اپنی

کنوینیس ہے؟

تیمور :- جی نہیں کمپنی نے وعدہ کیا ہے کہ اس برس سکوٹر لے دیں گے۔ بہر حال

صرف تین گھنٹے کا تو سفر ہے۔ یہاں سے نیچے شہر تک ہر پانچ منٹ بعد

وگن چلتی ہے۔

مورت :- اس وقت نہیں چلتی۔

تیمور :- (دباؤ سے) نہیں چلتی؟

مورت :- کریم... (بٹلر آتا ہے) ملازم سے کہو۔ صاحب کے لیے دوسری منزل

پر واقع بیڈروم جھاڑ پونچھ کر تیار کر دے۔ (تمپور سے) آپ کو کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف کہئے گا۔

تمپور :- جی ہیں رات کو پانی بہت پیتا ہوں۔

مورت :- ایک جگ پانی سائید ٹیبل پر۔

تمپور :- اور ایک گلاس۔

مورت :- اور ایک گلاس۔

دوسرا منظر

تمپور سو رہا ہے، باہر بجلی چمک رہی ہے، ہاتھ بڑھا کر گلاس ٹھونکتا ہے اور آنکھیں بند کیے دو گھونٹ بھرتا ہے۔ اتنے میں لیمپ بجھ جاتا ہے، بجلی کی چمک اور گرج ہلکی ہلکی سوچ پر ہاتھ مارتا ہے، لیکن بجلی جا چکی ہے۔ لیٹ جاتا ہے دروازے کے نیچے روشنی دکھائی دیتی ہے۔ خوفزدہ ہو کر لٹاف اڑھ لیتا ہے۔ پھر اوپر سے دیکھتا ہے۔ اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازہ کھولتا ہے۔ باہر مورت اس سائڈھی میں ہے۔ ہاتھ میں ایک بڑا شمع دان ہے۔ تمپور اس کی بے پناہ خوب صورتی سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ بول نہیں سکتا۔

مورت :- میں مورت ہوں۔

تمپور :- ہاں تم ہو۔ (قدرے توقف کے بعد) میرا مطلب ہے مس مورت۔

مورت :- آندھی سے چیڑ کا ایک تناد درخت بجلی کے تاروں پر گر گیا ہے، درخت

کی اونچائی تو صرف اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ زمین پر گر جاتا ہے۔

ہم درخت کاٹ کر بعد میں ماتم کرتے ہیں۔ اس کے گرنے سے اندھیرا بھاگیا

ہے ہر طرف آپ آرام سے ہیں نا۔

چلی جاتی ہے۔

تیسرا منظر

اگلی صبح ناشتے کی میز پر۔ بٹلر کریم موڈب کھڑا ہے۔

کریم :- بی مس صاحبہ گرے ہوئے درخت کے ٹکڑے کر کے ہم نے لان کلیئر کر دیا ہے۔ تاروں کی مرمت بھی کر دی گئی ہے۔ بجلی دوپہر تک آجائے گی۔

مورت :- کیا چائے گرم نہیں؟

تیمور :- نہ اتنی گرم کہ لبوں کو جلا دے اور نہ اتنی یخ کہ حلق سے اترتے ہوئے خیر تک نہ دے۔ مجھے اسی قسم کی چائے پسند ہے معتدل۔

مورت :- کریم گرم چائے لے کر آؤد کریم جاتا ہے، مجھے معتدل مزاجی سے نفرت ہے چاہے خوراک میں ہو یا جذبات میں — سات آپ آرام سے سوئے؟

تیمور :- ہاں — اور آپ؟

مورت :- میں تو بہت دنوں سے نہیں سوئی۔ یہ گھر — اس کے در و دیوار اب چُپ ہیں۔ مجھ سے باتیں نہیں کرتے۔ ہم کلام نہیں ہوتے۔ چند روز پیشتر یہ مجھے محبت سے دیکھتے تھے اور اب دیکھتے ہی نہیں۔ ڈیڑی چلے گئے تو یہ سب بھی خاموش ہو گئے۔۔۔ اندھے ہو گئے۔

تیمور :- آپ اب بالکل اکیلی ہیں؟

مورت :- نہیں۔ یہاں پر کریم ہے، بادرچی اور ڈرائیور ہیں اور پھر لان میں کچھ درخت بھی تو ہیں۔ میں اکیلی تو نہیں۔

تیمور :- (گھڑی دیکھ کر) میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے پہلی وگن۔۔۔

مورت :- ڈرائیور آپ کو سٹینڈ تک چھوڑ آئے گا۔

تیمور :- بہت بہت شکریہ ۔

مورت :- مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو زیادہ وقت نہیں دے سکی یہاں بہت خوب صورت سپانس ہیں۔ درختوں سے گھرا ایک ایسا رستہ ہے جس کے آخر تک میں آج تک نہیں گئی، ایک خزاں رسیدہ جنگل ہے جس کے پتے پاؤں تلے آنے پر صحنے لگتے ہیں، ان دنوں خزاں کا موسم ہے ناہر طرف، کبھی آئے گا۔

تیمور جاتے ہوئے ٹرگر دیکھتا ہے اور فلیش بیک میں "مورت ہوں" ہاں تم ہو۔

چوتھا منظر

انسٹورنس کمپنی کا دفتر تین کمروں پر مشتمل پہلے کمرے میں تین سیلرز ریپ دوسرے میں دو سیلرز آفیسر اور تیسرے میں ایک سیلرز منیجر۔ باقی لوگ کام کر رہے ہیں اور تیمور اخبار پڑھ رہا ہے، دوسرے سیلرز ریپ عمران اور زہیر ہیں۔

زہیر :- اور پہلی ملاقات پر ہی پریمیم بھی لے آئے۔

عمران :- تو اور کیا، میں نے پہلی نظر میں ہی جانچ لیا کہ یہ شخص لباس کے بارے میں بڑا پڑسیکلر ہے۔ میں نے چائے پر اس کی ٹائی کی تعریف کی، سوٹ کی کٹنگ پر زبردست کمپلیمنٹ دیا اور اس نے چپکے سے ہیمہ کروالیا، بھٹی میں تو پارٹی کو کنونسن نہیں کرتا... ایپریس کرتا ہوں بس۔ اور تمہارے کیس کا کیا بنا؟

زہیر :- عاصی صاحب والا؟ اس کا میڈیکل کروا کر جمع کروا دیا ہے۔ پروپوزل نمبر بھی لگ گیا ہے۔ تیمور اس نایاب صاحب والے کیس کا کیا ہوا؟
تیمور :- (بے دلی سے) ان کا چیک ڈس آنر ہو گیا ہے۔

چپراسی :- تیمور صاحب آپ کو مینیجر صاحب بنا رہے ہیں۔

تیمور اٹھ کر جاتا ہے۔

مینیجر :- مس مورت خاں کا چیک دے آئے؟

تیمور :- ... جی۔ (بیگ میں سے دستخط شدہ فارم نکال کر سامنے رکھتا ہے)

مینیجر :- ٹھیک ہے۔۔۔ (تیمور جانے لگتا ہے) تیمور صاحب آپ برا نہ مائیے

گا مگر اس ماہ بھی آپ ٹارگٹ پورا نہیں کر سکے۔

تیمور :- مجھے شرمندگی ہے، کوشش تو بہت کرتا ہوں۔

مینیجر :- آپ کو لڈکنوینگ کیوں نہیں کرتے؟

تیمور :- جی؟

مینیجر :- کسی گلی محلے یا بازار میں چلے جائیے اور ایک سرے سے شروع ہو

جائیے۔ انٹرنس میں قاعدہ ہے کہ اگر آپ تین جگہ جاتے ہیں تو ایک

شخص بات چیت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور ان تین میں سے ایک آدمی

آپ کو تفصیلی گفتگو کے لیے بلا لیتا ہے۔ اور پھر ایسے تین لوگوں میں سے

کم از کم ایک بھیر کر دیتا ہے یعنی اگر آپ نو جگہ جاتے ہیں تو آپ کو کم از کم

ایک پارٹی ضرور مل جاتا ہے۔

تیمور :- میں آج ہی سے آپ کے مشورے پر عمل کرنا شروع کر دوں گا (جانے

لگتا ہے)

مینیجر :- اور تیمور صاحب اپنے لباس کی طرف بھی توجہ دیجئے۔

پانچواں منظر

تیمور ہاتھ میں بیگ لیے بازاروں میں گھوم رہا ہے۔ ایک دکان کے

اندر جاتا ہے۔ دکان دار فون پر بات کر رہا ہے۔

دکاندار :- ادھر میں نے مال کلیئر کر دیا۔ ادھر جا پان بادشاہ نے ریٹ بڑھا دیے۔
(تیمور کو دیکھ کر فون بند کر دیتا ہے) جی فرمائیے۔

تیمور :- آپ فارغ ہو لیں۔

دکاندار :- اجی یہ گپ بازی تو ہوتی ہی رہتی ہے... کسٹمر پہلے۔ وہ کہتے ہیں ناکہ
گاہک اور موت کا کوئی پتہ نہیں کب آجائے۔

تیمور :- موت ؟

دکاندار :- جی

تیمور :- میں بھی اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔

دکاندار :- (بوکھلا کر) کیا مطلب ؟

تیمور جیب میں سے کارڈ نکال کر دیتا ہے۔ دکاندار پڑھتا ہے اور اسے مینر پر پھینک
کر کچھ کہے بغیر فون کرنے لگتا ہے۔

دکاندار :- ہاں تو میں کہہ رہا تھا ادھر جا پان بادشاہ نے ریٹ بڑھا دیے (تیمور
سے) پھر کسی وقت تشریف لائیے گا۔ میں مصروف ہوں۔

تیمور :- پھر کس وقت ؟

دکاندار معاف کر کے اندازہ میں ماتھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔ تیمور باہر جانے لگتا ہے پھر
واپس آکر کارڈ اٹھا کر جیب میں ڈالتا ہے اور باہر چلا جاتا ہے۔

چھٹا منظر

ایک مکان کے لیٹر بکس پر سے نام پڑھ کر گھنٹی بجاتا ہے۔ اوپر سے ایک شریر
تسم کی ہچی جھانکتی ہے۔

ہچی :- آپ کو کس سے ملنا ہے ؟

تیمور :- (لیٹر بکس سے پڑھتے ہوئے) جناب کمال الدین ساتی صاحب کو۔

بیچتی :- (ہنس کر) وہ تو فوت ہو چکے ہیں میرے دادا جان تھے۔

تیمور :- تو پھر اپنے ڈیڑی کو بلا دیجیے۔

بیچتی :- آپ کو ان سے کیا کام ہے؟

تیمور :- میں انشورنس ایجنٹ ہوں۔

بیچتی :- (ہنستے ہوئے) ڈیڑی یتیم خانے والوں۔ انکم ٹیکس انسپکٹروں اور

انشورنس ایجنٹوں کے لیے اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔

کھڑکی بند کر دیتی ہے۔

ساتواں منظر

تیمور تھکے قدموں سے اپنے کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ رہائش کے لیے واحد جگہ
اس لیے گریسیاں میز چارٹی کتابیں سب وہیں موجود ہیں۔ تیمور اندر داخل
ہوتا ہے تو سامنے ایک چھوٹے سے آئینے میں اپنا عکس دیکھتا ہے۔ ٹھٹک کر
آگے چلا جاتا ہے۔

تیمور :- بابا۔ او بابا۔

بابا دھوتی اور بنیان پہنے جلدی سے کمرے میں آتا ہے۔

بابا :- جی مور باؤ جی

تیمور :- اونے مور کیا ہوتا ہے۔ کتنی مرتبہ کہا ہے کہ پورا نام پکارا کرو۔ کہاں

تھے؟ اس ماچھن کے ساتھ راز و نیاز ہو رہے ہوں گے؟

بابا :- آپ مذاق نہ کیا کریں باؤ جی میری عمر ہے.... میں تو بازار سے

آپ کے لیے حلیم لینے گیا تھا۔

تیمور :- آج پھر حلیم....

بابا :- بانڈی روٹی کے لیے پیسے دے کر گئے تھے؟

تیمور :- ہاں ہاں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تمہاری تین ماہ کی ننھاہ
 بابا :- میں نے کبھی شکایت کی مور باؤ ... آپ یہ بیسے کا کام چھوڑ کر کوئی
 اور کاروبار کیوں نہیں کر لیتے۔ لکھے پڑھے ہیں۔ جوان ہیں۔ بہت کچھ
 کرنے کو ہوگا اس دنیا میں

تیمور :- بہت کچھ تو کر بھی چکا ہوں بابا۔
 بابا :- کوئی اور کاروبار نہیں کر سکتے تو شادی ہی کر لیجئے۔
 تیمور :- ہاں شادی بھی تو کاروبار ہے۔ ہیں شادی؟ اس ایک کمرے کے
 مکان میں؟ ہونہہ۔ اور اس آمدنی میں

بابا :- کوئی بھاگوں والی آجائے تو خود بخود ہی برکت بھی ہوتی ہے۔
 تیمور :- برکت نہیں ہوتی۔ بچے ہوتے ہیں خود بخود... تم حلیم لاؤ۔

اٹھکھواں منظر

ایک مونثاثر۔ تیمور مختلف لوگوں سے مل رہا ہے۔ مگر نا کام لوٹتا ہے۔ چند ہفتوں
 کا گیپ اس طرح دکھایا جائے۔ تیمور کا کمرہ۔

تیمور :- بابا۔ او بابا... حلیم لاؤ۔

بابا کھانا لاتا ہے۔ تیمور چند لقمے نگل کر بستر پر لیٹ جاتا ہے۔

بابا :- مور باؤ آج تھک گئے بہت؟

تیمور :- بابا میں بہت عرصے سے تھکا ہوا ہوں۔ ایک ایسا پرندہ جواڑتا

چلا جاتا ہے۔ اڑتا چلا جاتا ہے اور اسے علم نہیں کہ اس میں بھیگے ہوئے

ہوئے وہ سر صبر میدان کہاں ہیں جن میں اتر کر اس کے ٹوٹتے پروں کی

تمام تر تھکاؤٹ نچڑ جائے گی... تمہیں پتہ ہے بابا ایک ایسی جگہ ہے

جس کے دونوں طرف اونچے اونچے درخت ہیں۔ اور درمیان میں ایک

راستہ سا بن گیا ہے۔ میں اُس راستے کے آخر تک جانا چاہتا ہوں، مگر اکیلا نہیں.... اور سنہری گھاس سے ڈھکے میدان ہیں۔ خزاں رسیدہ جنگل ہے۔

یا بابا :- (برتن اٹھاتے ہوئے) آپ آرام کریں مورت باؤجی۔ تیمور خیالوں میں گم ہے۔ مورت کے خیالوں میں۔ پھر وہی فلیش بیک۔
”میں مورت ہوں“ ہاں تم ہو۔
تیمور :- (زیر لب) ہاں تم ہو۔

اُٹھ کر بیگ میں چند چیزیں ٹھولتا ہے اور باہر نکل جاتا ہے۔

نواں منظر

مورت کا گھر۔ رات کا وقت۔ ملازم سامان اُٹھا کر باہر لے جانے میں مصروف ہیں۔ تیمور اندر آتا ہے۔ ہاں کمرے میں صرف ایک صوفہ پڑا ہے۔ جس پر مورت بیٹھی ہے۔ باقی کمرہ بالکل خالی ہے۔ کمرے میں اندھیرا ہے۔ تیمور صوفے کے ساتھ ٹیبل پر رکھے پیپ کو جلاتا ہے۔ مورت روشنی ہونے پر اوپر دیکھتی ہے۔
تیمور ۱۔ ہیلو۔

مورت جواب نہیں دیتی۔ حیرت اور خوشی سے دیکھتی رہتی ہے۔

ہیلو مس مورت۔ میرا نام تیمور ہے... میں آپ کے والد کا کلیم چیک لے کر آیا تھا... رات بھی ٹھہرا تھا... اور ایک چپڑکا درخت... آپ نے ہی تو کہا تھا کہ کبھی آئے گا۔

مورت :- ہاں کہا تھا۔ لیکن کبھی کا مطلب اتنی دیر سے آنا تو نہیں ہوتا... اور پھر کیا اتنی دیر سے آنے والے پونہی کسٹریے رہتے ہیں۔ بیٹھتے نہیں؟

تیمور :- (اسی صوفے پر بیٹھتے ہوئے) ہم شہر کے لوگ بیٹھنے کی عادت بھول جاتے ہیں۔ ہم زمین کی طرف دیکھتے ہی نہیں۔ صبح ہوتی ہے تو شہر کے بام و در پر سبکوں سے لدا پھندا ایک درخت پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ ہر شخص اپنی قابلیت یا مکاری کے پتھر اس درخت پر پھینکتا ہے۔ اس آس میں کہ مہنیوں سے لٹکے چند سگے اس کی جھولی میں آگریں گے۔ شام تک درخت خالی ہو جاتا ہے۔ کچھ جھولیاں بھر کے گھر جاتے ہیں اور بیشتر تہی دامن۔ ضروریات زندگی ان سبکوں کو بھی نکل لیتی ہیں۔ دوسری صبح آتی ہے تو پھر وہی درخت سبکوں سے لدا پھندا دکھائی دیتا ہے۔ وہی سگے۔ وہی پتھر... اور یوں ہم کبھی زمین کی طرف نہیں دیکھتے۔

مورت :- شہر اتنے بھیانک تو نہیں ہوتے تیمور صاحب ؟

تیمور :- آپ کے لیے نہیں۔ کیونکہ آپ کی جھولی بھری ہوئی ہے۔ مگر میرے ایسے انسان کے لیے جو اپنی تمام تر قوت سے قابلیت کے پتھر درخت پر پھینکتا ہے۔ مگر سگے ٹوٹ کر گرتے نہیں۔ صرف کھنکنے ہیں اور میں جھولی پھیلاؤں منہ کھولے کھڑا رہتا ہوں۔

مورت :- خیر اتنے قنوطی ہونے کی بھی کوئی بات نہیں... دراصل آپ طویل پہاڑی

سفر کی وجہ سے تھک گئے ہیں۔ کچھ دیر آرام کر لیجئے

کریم داخل ہوتا ہے۔

کریم :- بس صاحبہ تمام سامان پیک کر کے ٹرک میں رکھوا دیا ہے۔ آپ کی کار تیار ہے۔ صرف یہ صوفہ باقی ہے جس پر آپ تشریف رکھتی ہیں۔

تیمور :- (دگھبرا کر) آپ کہیں جا رہی ہیں؟

مورت :- کریم ملازموں سے کہو کہ سامان ان پیک کر کے اسی طرح کمروں میں سجا دیا جائے۔ میں ابھی چند روز مزید اس گھر میں قیام کروں گی۔

کریم :- لیکن میں صاحبہ ۔

مورت :- (غصے سے) کریم ۔

کریم :- جی بہتر ۔

چلا جاتا ہے ۔

تیمور :- آپ کہیں جا رہی تھیں ؟

مورت :- آپ کی آمد سے پہلے ... ہاں !

تیمور :- میں آپ کے پروگرام میں خارج نہیں ہونا چاہتا۔ میں تو ویسے

ہی ... ورنہ مجھے کوئی ...

مورت :- گھر میں مہمان آجائے تو اہل خانہ پسند کریں یا نہ کریں انہیں مہمانداری

کرنا ہی پڑتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس گھر کے باسی اس مہمان کو پسند

کرتے ہیں ... یہ گھر اور میں ہم عمر ہیں۔ ہم بچپن کے دوست ہیں۔ یہ

مجھے ایک ذی روح کی طرح عزیز ہے۔ میں اسے کسی قیمت پر کھونا نہیں

چاہتی مگر ... اب یہاں چاہت کے جذباتوں کی آہٹ نہیں ہے۔ کتنی دیر

تک ٹھہرتی رہوں۔ میں نے شہر میں مون پراپرٹی ڈیلر کو کہا ہے کہ وہ

اسے بیچ دیں ...

کریم ایک کتے کو اندر لاتا ہے۔ اس کی زنجیر کھولتا ہے، تو وہ مورت کے پاؤں میں

آکر بیٹھ جاتا ہے۔

مورت :- ہیلو ڈاگ ... کیا حال ہے میرے ڈاگ کا۔

تیمور :- بہت خوب صورت لگتا ہے۔

مورت :- آپ بے شک میرے کتے کو مارلن برانڈو سے زیادہ خوب صورت قرار

دے دیں، مگر میں انشورنس نہیں کراؤں گی۔

تیمور :- (جھینپ کر) میرا برگزیدہ مطلب نہیں تھا، کتا واقعی خوب صورت ہے

کیا نام ہے اس کا؟

مورت :- ڈاگ

تیمور :- جی ہاں ہے تو ڈاگ، لیکن نام کیا ہے اس کا؟

مورت :- (ہنس کر) ڈیڈی اسے میرے لیے لائے تو ان کے دوستوں نے عجیب

اڈٹ پٹانگ نام تجویز کیے، ڈبو، گولوب، بلو قسم کے، میں نے سوچا ایک کُتے

کا نام صرف کُتا "بھی تو رکھا جاسکتا ہے، چنانچہ میں اسے ڈاگ کہتی ہوں،

میرا خیال ہے آپ کُتوں کو پسند نہیں کرتے؟

تیمور :- دراصل کُتے مجھے پسند نہیں کرتے۔

مورت :- کریم اسے کچن میں لے جا کر کریم بسکٹ کھلاؤ۔

تیمور :- کریم جو بسکٹ بھی کھلائے کریم بسکٹ ہی ہوں گے۔

مورت :- آپ رات کے کھانے سے پہلے کچھ دیر سٹائیجیے، چلیے ہیں آپکو خوابگاہ

تک چھوڑ آؤں۔

خوابگاہ کے دروازے پر پہنچ کر۔

یہاں ایک راستہ ہے درختوں سے گھرا ہوا...

تیمور :- مجھے معلوم ہے۔

مورت :- اور ایک خزاں رسیدہ جنگل بھی۔

تیمور :- میں جانتا ہوں۔

مورت :- کل صبح... چلیں گے؟

تیمور :- شاید میں آیا ہی اسی راستے اور اسی جنگل کے لیے ہوں۔

مورت :- ان پاؤں کے لیے نہیں جو خزاں رسیدہ پتوں پر چلیں گے؟

جاتی ہے بڑ کر دیکھتی ہے۔

دسواں منظر

رات کا وقت۔ تیمور سو رہا ہے۔ ٹیبل پیمپ جل رہا ہے۔ حسب سابق دروازے کے نیچے روشنی دیکھ کر اٹھتا ہے۔ دروازہ کھولتا ہے۔ مورت ہاتھ میں شمع دان لیے کھڑی ہے۔ مگر سفید ساڑھی میں۔

مورت :- میں مورت ہوں۔

تیمور :- ہاں تم ہو... مگر آج تو تمام روشنیاں بدستور جل رہی ہیں، بجلی فیل نہیں ہوئی۔ پھر بھی یہ شمع دان۔

مورت :- ابھی عادت نہیں ہوئی روشنی کی۔ غدرشہ رہتا ہے۔

تیمور شمع دان کی تمام شمعیں ایک ایک کر کے بجھا دیتا ہے۔

تیمور :- دیکھ لو اب بھی روشنی ہے۔

مورت :- ہاں... ہے۔

چلی جاتی ہے

مونٹاز:

۱۔ درختوں سے گھرا ہوا ایک راستہ۔ تیمور اور مورت اس پر چل رہے ہیں آخر تک جاتے ہیں۔

۲۔ ایک خزاں رسیدہ جنگل میں چل رہے ہیں۔

۳۔ کسی کانی بار میں پیٹھے ایک دوسرے کی جانب محو ہو کر دیکھ رہے ہیں۔

گیارہواں منظر

ایک وسیع میدان جس میں اکا دکا درخت ہیں۔ لیکن یہ میدان سوکھی گھاس سے اٹا پڑا ہے۔ مورت اور تیمور کھڑے باتیں کر رہے ہیں۔ تیمور سگریٹ جلا کر جلتی

ہوئی دیا سلائی بے دھیانی میں گھاس پر پھینک دیتا ہے۔ گھاس سلگنے لگتی ہے۔
اور آہستہ آہستہ آگ پھیلنے لگتی ہے۔ مورت ایک دم اسے دیکھتی ہے اور اپنے پاؤں
سے گھاس کو مسل کر آگ بجھانے کی کوشش کرتی ہے مگر کامیاب نہیں ہوتی۔

مورت :- (بے بسی سے) یہ آگ پھیل رہی ہے تیمور۔ میں اسے روک نہیں سکتی۔
تیمور سن نہیں رہے۔ تیمور میں اسے نہیں روک سکتی۔ یہ میرے بس ہیں نہیں۔
یہ پھیل رہی ہے تیمور... کچھ نہیں رہی... کچھ تو کمر و تیمور... پلیز تیمور...
... پلیز۔

تیمور کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ۔ اطمینان سے سگریٹ پیتا رہتا ہے اور مورت
کو دیکھتا رہتا ہے۔

مورت خاں کے گھر کا ہال کمرہ۔ چائے کی میز ایک طرف۔ مورت سفید ساڑھی میں
اسی صوفے پر براجمان۔ پہلے منظر والے تمام لوگ اسی طرح اسی ترتیب سے۔
تیمور ایک کونے میں کھڑا ہے۔ اس منظر کو اسی پٹرن پر کیا جائے جس طرح پہلا
منظر کیا گیا تھا۔

شخص ۱ :- میں مورت خاں یقین کیجئے بے حد مسرت ہوئی۔

مورت :- جمیلانی صاحب آپ تشریف لائے، خوشی کا اظہار کیا بہت بہت شکریہ۔
شخص ۲ :- میں مورت خاں آپ کی منگنی ایک خوش کن خبر ہے۔

مورت :- اکبر صاحب آپ تشریف لائے خوشی کا اظہار کیا۔ بہت بہت شکریہ۔
شخص ۳ :- میں مورت خاں انگیمنٹ پر مبارکباد قبول فرمائیے۔

مورت :- اظہر صاحب آپ تشریف لائے خوشی کا اظہار کیا۔ بہت بہت شکریہ۔
تمام لوگ جانے کے لیے اٹھتے ہیں اور دروازے پر تیمور سے ہاتھ ملاتے ہیں۔

شخص ۱ :- آپ کو بھی مبارک ہومسٹر؟

تیمور! - تیمور!

شخص :- بہت بہت مبارک ہو... آپ کا نام؟

تیمور :- تیمور۔

شخص :- دلی مبارک باد قبول فرمائیے... آہم... اوہ آپ کا نام؟

تیمور غصے سے باہر نکل جاتا ہے۔ کمرے میں جا کر سامان اکٹھا کر رہا ہے۔ مورت بھاگتی ہوئی آتی ہے۔

مورت :- تیمور کیا ہوا؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟

تیمور :- اس گھر میں میرا نام تیمور نہیں، مورت کا منگیتر ہے۔

مورت :- ادئے سویٹ آدمی ان لوگوں کی باتوں کا برا نہیں مانتے... یہ تو...

تیمور :- دیکھو مورت بی بی... مجھے تمہارے اور اپنے درمیان سوشل سٹیٹس

کے طویل فاصلوں کا احساس تو تھا۔ مگر تم نے... تمہاری چاہت نے

میری بصارت کو اتنا مدہم کر دیا کہ میں انہیں دیکھ نہ سکا۔

مورت :- دن راض ہو کر ایسی بات کرتے ہو مورت... میں نے کبھی۔

تیمور :- میں اب تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو تم بلند ہوتی چلی جاتی ہو...

ہم دونوں کی سطح میں فرق آ گیا ہے۔ اور میں تم سے آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر بات نہیں کر سکتا۔

مورت :- میں بلندی پر نہیں ہوں مورت... تمہارے سامنے ہوں۔ تمہاری سطح

پر ہوں۔ چاہت کے جذبوں تلے پیڈنگ نہیں ہوتی مورت۔

تیمور :- ہاں ڈارلنگ نہیں ہوتی۔ مگر ہم دونوں اکیلے نہیں ہوں گے اس پورے

پلینٹ پر۔ یہاں پر وہ گھامٹر بھی ہوں گے جو مجھے مبارکباد دے رہے

تھے۔ اور وہ ہمیشہ مجھے بس مورت خاں کا منگیتر ہی کہیں گے۔ یہ مجھے

منظور نہیں۔ میں ایک ایسی لڑکی سے شادی کروں گا جو تیمور کی منگیتر ہوگی
فکر نہ کرو ہوگی وہ تم ہی۔

مورت :- مور ہم تو اس اپریل میں شادی۔

تیمور :- ہر برس میں ایک اپریل ضرور ہوتا ہے مورتی۔ اس برس نہ ہی
اگلے سال ہی۔ خدا حافظ۔

بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر چلا جاتا ہے۔

بارہواں منظر

دیگتوں کے اڈے پر۔ مور ایک رکشے میں سوار ہو جاتا ہے۔

تیمور :- محلہ شاہ محمد۔۔۔۔

رکشا چلتا ہے اور قدرے توقف کے بعد تیمور پوچھتا ہے۔

بھئی کتنا کما لیتے ہو دن میں؟

رکشا والا :- کیوں جی آپ نے ٹیکس لگانا ہے؟

تیمور :- یونہی پوچھ لیا تھا ناراض کیوں ہوتے ہو۔

رکشا والا :- ہر سواری یہی پوچھتی ہے باوجہ تیس چالیس ہو جاتے ہیں۔

تیمور :- کبھی حادثہ بھی ہوا؟

رکشا والا :- اوئے خدا کا نام لو بابا بوجی۔ کیا سویرے سویرے۔ اللہ معافی دکانوں

کو ہاتھ لگاتا ہے، ویسے ہوا تھا پچھلے مہینے۔ دو ہفتے بند پڑا رہا رکشا سمیت۔

تیمور :- ان دنوں تنگی تو ہوئی ہوگی کھانے پینے کی۔

رکشا والا :- تنگی جیسی تنگی۔ مانگ مانگ کر گزارا کیا۔ اکیلا کھانے والا ہوں۔

تیمور :- اگر تم دو روپے روزانہ کسی ایسی کمپنی کو دے دو جو اگر خدا نخواستہ تمہارا

حادثہ ہو جائے تو تمہارے خاندان کو روزانہ پچاس روپے اس وقت

تک ادا کرتی رہے جب تک تم بھلے چنگے نہ ہو جاؤ۔ تو کیسا رہے گا؟
 رکشا والا!۔ اللہ معافی۔ کیا سواری پکڑی ہے سویرے سویرے۔ فرشتہ تو نہیں۔
 کانوں کو ہاتھ بگاتا ہے۔ رکشا رکنا ہے۔ تیمور پیسے دے کر جانے لگتا ہے۔

باؤجی بات سنیں۔ بس دو روپے میں یہ گارنٹی کہ

تیمور :- ہاں ہاں۔ بس ایک فارم بھرنہ ہوگا۔ (جیب سے کارڈ نکال کر) کل دفتر
 آجانا۔

رکشا والا!۔ اور اگر آج ہی کہیں پھلوس اڑ گیا تو سواری اپنی ہے باؤجی ابھی نہ چلیں۔

تیمور ہواں منظر

دفتر میں رکشے والے کے ساتھ تیمور داخل ہوتا ہے۔ ایک فارم پر دستخط کروانا
 ہے اور اسے عمران کے حوالے کر کے مینجر کے کمرے میں جاتا ہے۔

مینجر :- چھٹی گنارنے کے بعد بہت تازہ دم ہو کر لوٹے تیمور صاحب۔ ساتھ ہی

ایک کیس بھی لیتے آئے۔ خوب کنونسن کیا آپ نے رکشے والے کو۔

تیمور :- سراسر ماہ کے لیے میرا ٹارگٹ کیا ہے؟

مینجر :- (جھجک کر) وہی بیس ہزار مگر.....

تیمور :- اسے ساٹھ ہزار کر دیجئے.....

باہر نکلتا ہے اور عمران کے کمرے میں۔

عمران یا میری ایک بات سنو... بیٹھو... یہ بتاؤ کہ کتنی کمشن ہو جاتی ہے۔

ایک ماہ میں۔

عمران :- تمہیں نہیں معلوم۔ بس تمہارے جتنی۔ چھ سات سو روپے۔

تیمور :- دیکھو اگر تم معادن کے طور پر میرا ساتھ دو تو میں تمہیں ایک ہزار

روپیہ ماہانہ تنخواہ دوں گا اور جتنے کیس کروں گا ان میں سے کمشن بھی۔

عمران :- تم تیمور۔ بابا با۔ یار تم تو اپنا روٹی پانی نہیں چلا سکتے۔ مجھے تنخواہ کہاں سے دو گے ؟

تیمور :- آ ز مالو۔ میں بے حد سنجیدہ ہوں عمران۔

عمران :- لیکن مجھے کرنا کیا ہوگا ؟

تیمور :- بہت آسان کام ہے۔ مجھے ایک فہرست چاہیے، شہر کے تمام صاحبِ ثروت اور امیر ترین لوگوں کی۔ شاگ ایکس چنج میں چلے جاؤ انکم ٹیکس کے کسی کارڈ سے حاصل کر لو۔ کہیں سے بھی۔

عمران :- بس ؟

تیمور :- نہیں اصل کام تو بعد کا ہے۔ ہفتے میں ایک بار تمہیں اس فہرست میں شامل کسی ایک شخص کے بارے میں مجھے مکمل معلومات فراہم کرنا ہونگی، اس کی پسندنا پسند۔ رنگ کون سا پسند ہے۔ کھیل کیا کھیلتا ہے۔ لباس کون سا پہنتا ہے۔ کتنے بچے اٹھتا ہے۔ کون سا جانور اچھا لگتا ہے۔ بیمار ہے تو کون سی بیماری۔ مشاغل کیا ہیں ؟

عمران :- بابا میں سیدھا سادہ انسان ہوں تم مجھے جاسوس بنانا چاہتے ہو۔ تیمور :- نہیں عمران تم نے خود ہی تو ایک مرتبہ کہا تھا کہ میں CONVINCING نہیں کرتا IMPRESS و کرتا ہوں۔ اور انسان کو IMPRESS و اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے اگر تمہارے پاس اس کے بارے میں مکمل معلومات ہوں۔ کہو مجھ سے تعاون کرو گے ؟

چودہواں منظر

تیمور کا گھر۔ عمران بھی موجود ہے۔

عمران :- یہ رہی فہرست۔ خاصی طویل ہے۔ پہلے نمبر پر آغا داؤد ہیں۔ ان کے

کو الف مندرجہ ذیل ہیں۔ دزن ۱۹۲ پاؤنڈ۔ گنجا ہے۔ ڈھیلا کپڑے پہنتا ہے۔ ٹیلی ویژن سے نفرت کرتا ہے۔ اکیلا رہتا ہے، چھٹی کے روز سکھ نہر پر جا کر مچھلیاں پکڑتا ہے۔

تیمور :- (چونک کر) مچھلیاں ؟

عمران :- ہاں اور انہیں پکڑ کر واپس نہر میں پھینک دیتا ہے۔
تیمور :- کیوں ؟

عمران :- اے مچھلی کا گوشت پسند نہیں۔

تیمور :- اچھا تو چھٹی کے روز سکھ نہر پر مچھلیاں پکڑتا ہے۔

پندرہواں منظر

آغا داؤد نہر کے کنارے مچھلیاں پکڑ رہا ہے۔ دور سے تیمور آنا دکھائی دیتا ہے۔ مچھلی کے شکار کے سامان سمیت۔ آغا داؤد کے قریب آکر تعلق سے ڈوری پانی میں ڈال کر بیٹھ جاتا ہے۔ ایک مچھلی پھنستی ہے۔ تیمور اسے کنڈی سے نکال کر واپس پانی میں پھینک دیتا ہے۔ پھر دوسری مچھلی کا بھی یہی حشر کرتا ہے۔

آغا داؤد :- کیوں صاحب یہ آپ مچھلیوں کو واپس پانی میں کیوں پھینک رہے ہیں۔

تیمور :- مجھے مچھلی کا گوشت پسند نہیں۔ سخت نفرت ہے البتہ مچھلی کے شکار پر

جان دیتا ہوں۔ صاحب کیا شکار ہے، بچپن میں جو ہڑوں میں کنڈی ڈال

کر تپتی دوپہروں میں بیٹھا رہتا تھا مگر وہاں تو اکثر کچھو پڑ پھنس جاتے تھے۔

آغا داؤد :- کچھو پڑ ؟

تیمور :- کچھوے نہیں ہوتے بڑے والے، ہر قسم کی مچھلیاں پکڑیں۔ اب تو ایک ہی

حسرت ہے۔ ایک عدد وہیل مچھلی پکڑی جائے۔

آغا داؤد :- آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا اس طرف۔

تیمور :- میں سپاٹس بدلتا رہتا ہوں۔ ایک ہی سپاٹ پر بار بار جانے سے مچھلیاں
 خراب ہو جاتی ہیں۔ پھنستی نہیں۔ اور ہو۔ اب انسان فرصت کے اوقات
 میں کرے بھی کیا۔ لے دے کے ٹیلی وژن ہے اور مجھے اس IDIOT BOX
 سے سخت نفرت ہے۔ بیٹھے ہوئے ہیں آپ ایک کرسی پر اور دیکھ رہے ہیں
 الوؤں کی طرح ایک ڈبے کی جانب۔ کوئی تک ہے۔
 آغا داؤد :- گویا آپ کوئی وی سے نفرت ہے۔ (تیمور جواب میں اُلکائی لیتا ہے)
 آپ کے گھر میں بچے نہیں ہیں۔ وہ کبھی تو بہت شوقین ہوتے ہیں۔
 تیمور :- بچے؟ (ایک اور اُلکائی) لا حول ولا۔ اسی لیے شادی نہیں کی۔
 چڑھے مجھے ان چھوٹے شیطانوں سے۔ یہ نلیاں بہہ رہی ہیں اور۔
 آغا داؤد :- (پیرسٹرت ہجے میں) کمال ہے۔ آپ تو بہت نفیس قسم کے انسان
 معلوم ہوتے ہیں۔ سبھی تشریف لائیں ناں غریب خانے پر۔ یہ ہے میرا
 کارڈ۔

(کارڈ دیتا ہے)

آغا داؤد کا گھر۔

تھوڑی سی گفتگو کے بعد تیمور انٹورنس فارم سامنے رکھتا ہے۔ اور وہ دستخط کر
 کے چیک کاٹ دیتا ہے۔
 موثر اثر :- ایک شخص یعنی تیمور مسلسل باتیں کر رہا ہے جیسے لوگوں کو خوش کر رہا
 ہو۔ پھر فارموں پر دستخط ہو رہے ہیں۔ مختلف ہاتھ چیک کاٹ رہے
 ہیں۔ دو تین ماہ کا عرصہ گزر رہا ہے۔

سوہواں منظر

تیمور اپنے بہت شاندار گھر میں داخل ہوتا ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی

ایک قد آدم آئینہ ہے۔ اپنی صورت دیکھتا ہے اور پھر جیسے منہ چھپائے ہوئے اندر چلا جاتا ہے۔ وہاں عمران بیٹھا ہے۔ پہلے سے بہتر لباس میں۔

تیمور :- کہو عمران میرا نیا گھر کیسا ہے؟

عمران :- تم اسے کرائے پر لینے کی بجائے اگر خود خرید بھی لیتے تو مجھے حیرت نہ ہوتی۔ تیمور صاحب آپ جانتے ہیں پچھلے دو ماہ میں آپ نے کتنا بزنس کیا ہے؟

تیمور :- جتنا بھی کیا ہے کافی نہیں... اگلا کیس کون سا ہے؟

عمران :- تیمور... میں دوستی کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا البتہ ایک ساتھی کی حیثیت سے یہ کہوں گا کہ اتنی شدید محنت آپ کی صحت کو متاثر کر سکتی ہے۔ آپ.....

تیمور :- اگلا کیس کون سا ہے؟

عمران :- میاں ریاض... پستی کیٹ پلازہ کے مالک... جاسوسی ناولوں میں دلچسپی ہے۔ کلب میں ہر اتوار ٹینس کھیلتا ہے اور بہت بُری کھیلتا ہے۔ گتے ناپسند ہیں اور ہاں سری پائے شوق سے تناؤ لگتا ہے۔ تیمور :- اتوار... توکل ہے۔

مورت اندر داخل ہوتی ہے تیمور اُسے دیکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

عمران :- اچھا تیمور صاحب مجھے اجازت ہے!

تیمور سر ہلاتا ہے۔ عمران چلا جاتا ہے۔

تیمور :- تم یہاں کیسے آگئیں؟

مورت :- کیوں مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔

تیمور :- نہیں... میرا مطلب بغیر اطلاع کے خبر کیسے بنا...

مُورث :- مجھ پر جو دار و اتیس گزرتی ہیں وہ کبھی اطلاع نہیں کرتیں... کبھی خبر نہیں دیتیں۔ میں نے اس گھر کو چھوڑ دیا ہے....

تیمور :- (پریشان ہو کر) کسی نے خرید لیا ہے؟

مُورث :- کوئی خرید ہی لے گا۔

تیمور :- (پرسکون ہو کر) ادہ... مجھے افسوس ہے، میں پچھلے چند دنوں سے تمہیں لکھ نہیں سکا۔

مُورث :- چند ہفتوں سے تیمور... بہر حال مجھے تمہاری خبر ملتی رہی۔ تمہاری اور تمہارے سکائی راکٹنگ سوشل سٹیٹس کی۔

تیمور :- تمہارا سامان کہا ہے؟ کہاں ٹھہری ہو؟

مُورث :- ملازموں کو رخصت کر دیا ہے سامان ایک رشتہ دار کے تہ خانے میں بند ہے اور میں جہاں کہیں بھی ہوں... بس ہوں۔ تمہیں زیادہ دسترب نہیں کروں گی۔ کبھی سمجھا آ کر دیکھ جایا کروں گی۔

تیمور :- کیسی باتیں کر رہی ہو مُورث... یہ سب کچھ میں تمہارے لیے ہی تو کر رہا ہوں۔ اپنی مُورثی کے لیے۔

مُورث :- میرے لیے نہیں۔ اپنی بچکانہ انا کے لیے۔ میرے لیے تم خود کافی ہو۔

(پاس آ کر) مُورث اب تو تم میری سلج پر آگئے ہو، میں بلند تو نہیں...

تیمور :- پلیز مُورث صرف تھوڑی سی مہلت دے دو... ہیں۔

مُورث :- تم لوگوں کو زندگیاں بیچتے ہو۔ عدم کی۔ اور مجھے... ٹکڑوں میں

بانٹ دیا ہے۔ مجھے جمع کر دو مُورث... اب تمہیں کس شے کی تلاش ہے؟

تم بے شک ساری عمر پروانہ میں رہو۔ لیکن بالآخر تمہارے سامنے تمہارا

اپنا ہی عکس ہوگا۔ تم خود سچ ہو دمنگنی کی انگوٹھی دکھا کر کہیں تم

اپنے فیصلے پر پشیمان تو نہیں ہو مورا ؟

(قدم آدم آئینے کے پاس جاتی ہے) دیکھو مورا یہاں صرف تم ہو۔ نہ

تمہارا سوئٹل سٹیٹس اور نہ باہر کھڑی شاندار کار۔ صرف تم۔

تیمور :- میری چاہت میں تو کمی نہیں آئی... اُس گھاس میں سلگتی آگ

کی طرح پھیلتی ہی جا رہی ہے۔

مورت :- آگ پھیلنے سے راکھ کا میدان بھی توسیع ہو رہا ہے۔

تیمور :- مورتی سنو... میں بتانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر میں تمہیں شادی کے

تخفے کے طور پر ایک سر پر اتر دینا چاہتا ہوں۔ ایک ایسی شے جو... (فون

بجنا ہے۔ اٹھاتا ہے) جی تیمور... جناب... قبلہ ہم خادم کس کے ہیں۔

میں ابھی حاضر ہوا۔ جی پر پوزل فارم ساتھ لے کر آ جاؤں گا۔ بس دس

ہزارہ... چیک پھر آ جائے گا... میں ابھی...

فون رکھ کر مڑتا ہے۔ مورت جا چکی ہے۔

سترواں منظر

ایک وسیع لان کے درمیان میاں ریاض بنیان اور نیکر پہنے سائیکل

ٹیبل پر مشروبات۔ جاسوسی ناول پڑھ رہا ہے۔ تیمور آتا ہے۔

تیمور :- السلام علیکم میاں صاحب

میاں :- وا علیکم... جی ؟

تیمور :- (جیب میں سے کارڈ نکال کر) میاں صاحب کل ٹینس کلب میں

ملاقات ہوئی تھی... آپ نے اپنا کارڈ...

میاں :- ارے ہاں۔ آپ وہی ذہین نوجوان ہیں ناں جنہیں میں نے بڑی

طرح ہرایا تھا ؟

تیمور :- سر آپ ایسے ٹینس پلیئر تو دنیا میں کم ہی ہوں گے۔ شاید وہ میڈن میں مگر وہ بھی شاید...

میاں :- بہت مہربانی... سنائیے کہ طر سیر ہو رہی ہے؟
تیمور :- بس کیا بتاؤں ایک نہایت بے ہنگم منصوبے کے تحت گھر سے نکلا تھا۔
دراصل مجھے کتوں سے سخت نفرت ہے۔

میاں :- واقعی؟

تیمور :- ہمارے محلے میں بہت ہیں۔ میں روزانہ ایک کو پکڑ کر تھیلے میں بند کرتا ہوں اور دریا میں ڈبو آتا ہوں۔

میاں :- بہت خوب... چائے پیو گے۔

باتیں کرتے ہیں اور آخر میں فارم پر دستخط اور چیک۔

اٹھا رہا ہوں منظر

تیمور کے گھر، چائے کی میز۔ تیمور ایک کتاب پڑھ رہا ہے اور ہنستا چلا جا رہا ہے۔ مورت بوری ہو رہی ہے، بالآخر اکتا کر کہتی ہے۔

مورت :- اگر لطیفے پڑھ رہے ہوتو مجھے بھی سناؤ تا کہ میں بھی دانت نکال سکوں۔

تیمور :- اس کی جانب دیکھیے بغیر، سبحان اللہ کیا کیا نسل کے کتے بنائے ہیں اللہ میاں نے رشین پوڈل، انجان ہاؤنڈ، سینٹ برنارڈ، ڈوبیرمین پنسر، فاکس ٹیریر، بل ٹیریر...

مورت :- یہ لطیفے ہیں؟

تیمور :- (اسی محویت سے) نہیں سکتے ہیں۔ بل ٹیریر ۱۸۰۰ سے ۲۰۰ پاؤنڈ

تک ہوتا ہے، اور بچوں کو بہت پسند کرتا ہے؟

مورت :- بڑوں کو کیوں نہیں کرتا؟

تیمور :- مجھے کیا پتہ... کتاب میں یہی لکھا ہے۔

مورت :- یہ آنا فانا تمہیں کتوں سے کیوں عشق ہو گیا ہے۔

تیمور :- مسز نسرين حیات کی وجہ سے... مسز نسرين حیات، خاندان قوت ہو چکا

ہے مگر یونہی نہیں بہت امیر ہو کر، مسز حیات گرمیوں کا موسم فرینچ روبرا میں

گزامتی ہیں، خزاں پیرس میں اور سردیاں اٹلی میں۔ صرف آرام کی خاطر

پاکستان آتی ہیں۔ ان کا واحد شوق کتے ہیں۔

مورت :- مورت

تیمور :- ہوں۔

مورت :- کتے بے حد وفادار ہوتے ہیں ناں؟

تیمور :- ہاں

مورت :- ماکن سے ہمیشہ ہمیشہ محبت کرتے ہیں؟

تیمور :- ہاں

مورت :- ادرا س کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے۔

(آبدیدہ ہو جاتی ہے)

تیمور :- اور مورت... اب تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا، مسز حیات

کے ہاں چار ہل ہوں، اگر انہوں نے انشورنس کروالی تو میرے پاس اتنی رقم۔

بس شام تک انتظار کرو... لیکن مورت... تم مجھے بتاتی کیوں نہیں کہ

تم کہاں ٹھہری ہوئی ہو؟ بس آ جاتی ہو اور چلی جاتی ہو۔

مورت :- میں آ کر جانا تو نہیں چاہتی... (تیمور کو دیکھتی ہے پھر میز پر سے چند

خط اٹھا کر دیتی ہے) تمہاری آمد سے قبل یہ ڈاک آئی تھی۔

تیمور :- واپسی پر دیکھ لوں گا۔

مورت :- میرا خیال ہے یہ خط ۱۰۰ بہت اہم ہے۔ اسے ضرور پڑھ لو۔

تیمور خط کھول کر سرسری نظر ڈالتا ہے اور پھینک دیتا ہے۔

مورت :- کیا لکھا ہے ؟

تیمور :- پتہ نہیں فلاں منزل فلاں کمرہ نمبر... نتھنگ اپنا رٹمنٹ۔

مورت آہستہ آہستہ سے خط اٹھاتی ہے اور تیمور کی جانب دیکھتے ہوئے پڑھتی ہے۔

اس کی آواز میں تھر تھراہٹ اور گونج ایسی کہ واضح طور پر بالکل پتہ نہیں چلتا کہ کیا کہہ رہی ہے صرف شائبہ سا ہوتا ہے۔

مورت :- تلاش عبث ہے۔ سب کچھ تم ہو۔ تم خود۔ کاف منزل۔ کمرہ نمبر ۱۱۔ آ جاؤ۔

آؤ... مجھے انتظار ہے۔

انیسواں منظر

ایک PASH بیڈروم۔ فرنچر فرنج سٹائل۔ پردے بھاری ایک عورت

لمبے گاؤں میں۔ ہیئر ڈو نہایت ماڈرن۔ مگر گردن پر پلاسٹر چڑھا ہوا پلنگ پر نیم دراز ہے۔ تیمور داخل ہوتا ہے۔

تیمور بد منرجیات، اجازت ہے۔ (وہ اشارے سے بولنے کو کہتی ہے) آپ علیل

ہیں۔ میں آپ کو اس طرح ڈسٹرب کرنے پر بے حد نادام ہوں مگر کیا کیا جائے۔

مسئلہ زندگی یا موت کا ہے... اور اس شہر میں سوائے آپ کے اور کوئی میری

مدد نہیں کر سکتا۔ (منرجیات کی طرف دیکھتا ہے مگر وہ چپ ہے) دراصل

گتا ہے ڈو برین پنسر جرمن نسل جیسا کہ آپ جانتی ہیں، جسم پر بال نہیں

ہوتے، دم اوپر کواٹھی ہوتی۔ ون مین ڈاگ یعنی اکیلے آدمی کے لیے انتہائی

موزوں۔ تو وہ بے چارہ شدید بیمار ہے۔

منرجیات :- آپ اسے گوشت کون سا کھلاتے ہیں ؟

تیمور :- برکت قصائی کی دکان کا۔

منسرحیات :- ادہ... ادہ... دی لوکل سٹف... نر ازہر... آپ اسے اسپورٹڈ گوشت کھلائیے۔ یہی ڈاگ فوڈ... خاص طور پر کتوں کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ حیاتیات سے بھرپور... سو روپے میں ایک پاؤنڈ کا ڈبہ مل جاتا ہے آپ کتوں سے شفقت کرتے ہیں؟

تیمور :- (فرفر طوطے کی طرح کہتا ہے) رشین پوڈل سینٹ برنارڈ۔ سینیٹل۔ اور آپ ایک کتورے کو دونوں کانوں سے پکڑ کر ہوا میں بلند کریں۔ اگر اس کی پیدگرمی درست ہوگی تو چپ رہے گا۔ اگر دوغلا ہوگا تو چوں چوں کرے گا۔ میڈم میں ڈوگ لور ہوں۔ جان دیتا ہوں کتوں پر۔

منسرحیات :- مجھے نصرت ہے ان احمق درندوں سے۔

تیمور :- (شدید حیرت سے) یعنی آپ کتوں کو پسند نہیں کرتیں؟

منسرحیات :- ایک ہفتہ پہلے کرتی تھی اب مجھے بلیاں پسند ہیں۔

تیمور :- (کچھ دیر تذبذب میں رہ کر پھر موضوع بدلنے کی کوشش کرتا ہے)

ریڑھ کی ہڈی شاید DISLOCATE ہوگئی ہے اس لیے پلستر...

منسرحیات :- ادہ یہ... یورپ میں سکی انگ کے دوران گر پڑی تھی...

تیمور :- میں اس پلستر کی لمبائی سے اندازہ کر سکتا ہوں کہ اس کے اندر ایک

بے پناہ خوب صورت گردن ہے۔ بالکل راج ہنس ایسی...

منسرحیات :- (بنادٹ سے شرماتے ہوئے) ادہ REALLY... مسٹر... کیا نام

ہے آپ کا؟

تیمور :- جی تیمور...

تسوڑی دیر باتیں کرتے ہیں۔ تیمور فارم رکھتا ہے۔ اور وہ چیک کاٹ کر دیتی ہے۔

تیمور چیک اٹھا کر دیکھتا ہے، خوشی کے جذبات .

بیسواں منظر

(پہا پرٹی ایجنٹ کا دفتر)

ایجنٹ :- (مکان کی چابیاں دراز میں سے نکال کر میز پر رکھتے ہوئے) بے شمار

لوگ مس مورت خاں کا گھر خریدنا چاہتے تھے... مگر میں نے صرف آپ کی

خاطر لاکھ حیلوں سے بہانے بنا کر بچائے رکھا...

تیمور :- (چیک دیتے ہوئے) یہ لیجیے پوری رقم (ایجنٹ چابیاں تھماتا ہے)

شکر یہ بقیہ کاغذات پھر مکمل ہو جائیں گے.

(چابی ہاتھ میں تھامے ہوئے تیزی سے باہر نکل جاتا ہے)

اکیسواں منظر

(تیمور بے حد خوش ہے. ہاتھ میں چابی ہے. اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے.

سامنے آئینے میں عکس دیکھتا ہے. پھر اندر جا کر مورت کو پکارتا ہے. مورت وہاں

نہیں ہے. بہت پریشان ہوتا ہے. فون اٹھاتا ہے. مگر پھر رکھ دیتا ہے پھر کچھ سوچ

کرتیزی سے اٹھ کر باہر نکل جاتا ہے... مورت کے پہاڑی گھر میں پہنچتا ہے چابی

لگا کر دروازہ کھولتا ہے. مکان بالکل خالی ہے. مورت کو تلاش کرتا ہے. پکارتا

ہے. بیٹھ جاتا ہے. یہاں پر "میں مورت ہوں"... وہاں تم ہو" کے مکالمے اور لپ لپ

ہوتے ہیں)..... پریشانی کے عالم میں سر جھٹکتا ہے. جیسے سوچ رہا ہے کہ مورت

اس وقت کہاں ہو سکتی ہے. پھر مورت کی آواز اسی تھر تھراہٹ کے ساتھ بار بار

پکارتی ہے. تلاش بے ثمر ہے. سب کچھ تم ہو. سچ ہو. کاف منزل نمبر... کمرہ نمبر ۱۱-

فوراً باہر نکلتا ہے. طویل سیڑھیاں جن پر تیمور تیزی سے جا رہا ہے. پھر ایک دروازہ.

اُسے وہ کھولتا ہے. سامنے ایک ماہداری. دونوں طرف دروازے. یہاں بھی کاف

منزل ... کمرہ نمبر ۱ کے الفاٹ گونج رہے ہیں۔ ایک دروازہ کھولتا ہے۔ اندر کچھ نہیں۔ خالی ہے۔ بند کرتا ہے۔ پھر دوسرا دروازہ۔ پھر تیسرا اور پھر آخری دروازہ کھولتا ہے۔ ایک خالی کمرہ درمیان میں ایک کرسی پر تیمور خود بیٹھا ہے جیسے ایک بت ہو۔ تیمور شاک کی کیفیت میں آہستہ آہستہ سے دروازہ بند کر دیتا ہے پھر پیچھے ہٹتا ہے۔ پھر اپنے حواس مجتمع کر کے آہستہ آہستہ دوبارہ دروازہ کھولتا ہے۔ اب وہاں اس کرسی پر مورت بیٹھی ہوئی ہے ... حیرت زدہ ہو کر آگے بڑھتا ہے۔ اور بے حد سکون سے اس کے قدموں میں بیٹھ جاتا ہے۔

○ دشتِ تنہائی

کردار

- ۱۔ کیٹی قاسم — بیس سے پچیس سال، سوچنے، سمجھنے، محسوس کرنے والی اور ہمدردی رکھنے والی لڑکی جس پر دولت اثر انداز نہیں ہوئی۔ جسے قدرت اپنی طرف کھینچتی ہے۔
- ۲۔ مراد بابا — ایک باوقار بلوچ بوڑھا جو صرف ضرورت کے تحت چند ماہ کے لیے قاسم صاحب کے ہاں چوکیدار ہے۔
- ۳۔ تیمور — کیٹی کا منگیتر۔ بڑا کاروباری۔ ہیمنڈ سم اور بہت پُراعتما۔
- ۴۔ قاضی — تیمور کا A - P جو یونیورسٹی سے بزنس ایڈمن کرچکا ہے۔ تیمور سے متاثر اور قدرے خوفزدہ۔
- ۵۔ قاسم — کیٹی کا کرڈہتی باپ۔ سانس کا مریض۔
- ۶۔ صالح — مراد بابا کا بیٹا۔
- ۷۔ خانم اور شریا — صالح کی بیٹیاں۔
- ۸۔ خان زمان — خانہ بدوش قافلے کا بزرگ اور بڑا۔ قدرے دُشٹ۔
- ۹۔ گل شیر — تقریباً ۷۲ برس کا بوڑھا۔ تفصیل سکرپٹ میں۔

- ۱۰۔ جیپ کارڈ رانیور اور گائیڈ۔
 - ۱۱۔ پیرخان۔ سازندہ جو صحراؤں میں گھومتا ہے اور جس کا کوئی گھر نہیں۔
 - ۱۲۔ حُسن بانو۔ چونکہ پچاس برس پہلے کی لڑکی ہے، اس لیے کوئی پرانا چہرہ،
 - ۱۳۔ جہاں شیر۔ گل شیر کا باپ۔
 - ۱۴۔ حُسن بانو کا باپ۔
 - ۱۵۔ حُسن بانو کے بھائی، گل شیر کے بھائی، خانہ بدوش عورتیں بچے وغیرہ۔
- نوٹ۔ بہتر یہ ہوگا کہ تمام اداکار سادہ اردو لہجہ اپنائیں۔ اگر خصوصی لہجہ اپنانا ہے تو تمام کردار ایسا کریں۔

منظر

دبلوچستان کے بارے میں ایک بالخصوص رسالہ ہے جس کے مختلف صفحات پر وہاں کے صحرا، گاؤں اور جانوروں کی تصاویر ہیں۔ باشندوں کے کلوز اپ ہیں، اگر رسالہ نہ مل سکے تو تصاویر حاصل کر کے ان کی البم بنالی جائے۔۔۔ منظر ادنیوں کے ایک کارواں کی تصویر پر کھلتا ہے۔۔۔ صفحہ پلٹتا ہے تو دوسرا منظر۔۔۔ اسی طرح پانچ چھ تصاویر دکھاتے ہیں بالکل کلوز میں، ان پر ڈرامے کے ٹیلپ چل سکتے ہیں، ایک باریش اور باوقار بوڑھے کی تصویر دکھاتے ہیں، کیٹی کی آواز اور لہجہ ہوتی ہے، ”بابا یہ تو بالکل آپ کی تصویر لگتی ہے“ اس کے ساتھ ہی پل آؤٹ کرتے ہیں، ایک کروڑ پتی گھرانے کا عالی شان ڈرائیونگ روم، فرانسیسی طرز کا فرنیچر، فانوس، بڑی کھڑکیاں، کیٹی ایک صوف پر نیم درازہ مختلف رسائل کتابیں اور کاغذات ادھر ادھر بکھرے ہوئے، ڈرائیونگ روم کے دوسرے سرے پر ایک بلوچ بوڑھا بابا مُراد آتی پالتی مارے قالین پر بیٹھا ہے انتہائی پر وقار طریقے سے، کیٹی حیرت سے سرائٹھاتی ہے، کیونکہ اسے جواب نہیں ملا،

کیٹی :- بابا مُراد آپ نے میری بات نہیں سنی۔

مُراد :- (کان پر ہاتھ رکھ کر) آپ کے اور میرے درمیان فاصلہ بہت ہے بی بی۔

کیٹی :- تو نزدیک آجائیں۔

مُراد :- میں یہیں ٹھیک ہوں بی بی، آپ بات کریں، اب میں غور سے سنوں گا۔

کیٹی :- (رسالہ دکھاتے ہوئے) میں کہہ رہی تھی کہ یہ تصویر۔۔۔ بالکل آپ

کی لگتی ہے۔

مُراد :- (آنکھیں میچ کر تصویر دیکھتا ہے) اور بڑے اطمینان سے کہتا ہے، میرے

بھائی کی ہے۔

کیٹی :- (اٹھ کر اس کے قریب جاتی ہے) سچ بابا مُراد۔

مُراد :- (مُسکراتا ہے) ویسے میں نے اپنے اس بھائی کو دیکھا نہیں ہوا۔

کیٹی :- یہ کیسے ہو سکتا ہے بابا۔

مُراد :- بھئی یہ ہماری عمر کا آدمی ہے، ہمارے جیسا ہے، ہمارے وطن کا ہے تو بھائی

ہواناں ؟

کیٹی :- (سمجھتے ہوئے) — OH BABA, YOU ARE JUST MAG-

NIFICENT.

مُراد :- جی بی بی ؟

کیٹی :- (رسالہ رکھ کر ایک فائل کھولتی ہے) یہ تصویریں تو میں دیکھ رہی تھی ذرا

ATMOSPHERE کو FEEL کرنے کے لیے۔ اب آئیے تھیس کی طرف

عنوان ہے "بلوچستان کے خانہ بدوش قبائل" — بابا کیا یہ مزے دار بات

نہیں ہے کہ اس تھیس پر نام تو میرا ہوگا، کیٹی قاسم کا لیکن یہ سارے کا

سارا آپ کا لکھا یا ہوا ہے ...

مُراد :- (دہنس کر) بی بی ہیں بھی تو مزے میں رہتا ہوں ناں، باہر دھوپ میں

چوکیداری کرنے کی بجائے ادھر ٹھنڈے کمرے میں قالین پر بیٹھا رہتا ہوں۔

اور اپنے وطن کی باتیں کرتا رہتا ہوں، اس دوران ڈزجیکٹ میں بلبوس

ایک پڑھا لکھا VALET یا معزز ویٹر چیکے سے جوس کا ایک گلاس کیٹی

کے قریب رکھ کر چلا جاتا ہے،

کیٹی :- اچھا بابا خانہ بدوشوں کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے ؟

مُراد :- پانی اور اونٹ۔

کیٹی :- وہ کس طرح

مُراد :- پانی ملتا نہیں اور اونٹ اکثر مر جاتے ہیں۔

کیٹی :- (مصنوعی غصے سے) بابا — آج سے تین ماہ بعد مجھے تھیسس SUBMIT کرنا ہے اور چار ماہ بعد تیمور صاحب بارات لے کر آجائیں گے اور آپ...

مراد :- تیمور صاحب اچھا آدمی ہے۔

کیٹی :- ہونہہ اچھا آدمی ہے۔ وہ اور اس کے SHIPS، مشینوں میں گھبرا

ہوا مشینی آدمی۔ بہر حال... بابا آپ یہ بتائیں کہ آپ کے وطن میں لوگ

خوش کس طرح ہوتے ہیں؟

مراد :- (خوب ہنستا ہے) اس طرح۔

کیٹی :- (بناوٹی غصہ) میرا مطلب ہے فارغ اوقات میں تفریح کے لیے کیا

کرتے ہیں؟

مراد :- ہمارے پاس فارغ وقت ہوتا ہی نہیں کیٹی بی بی۔

کیٹی :- اس طرح تو یہ تھیسس کبھی مکمل نہیں ہوگا۔

مراد :- (سنجیدگی سے) ہاں نہیں ہوگا۔

کیٹی :- کیوں مراد بابا؟

مراد :- کیٹی بی بی میرے وطن کے صحراؤں اور موہموں کی خوشبو ان بند کردوں تک

نہیں آسکتی، آپ کو ان کے پاس جانا ہوگا۔ آپ کے شہر میں آسمان کے

کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں پورا آسمان ہے۔

کیٹی :- لیکن آپ کی بات چیت...

مراد :- میں آپ کو جو کچھ بتاتا ہوں وہ جب آپ لکھ دیتی ہیں تو وہ مردہ ہو جاتا ہے۔

آپ کو جو میں نے کہانی سنائی تھی اپنے گاؤں کی، وہ آپ نے لکھی پھر مجھے

سنائی تو وہ مر چکی تھیں، وہ تو میری کہانی ہی نہیں تھی کسی اور گاؤں کی

کہانی تھی...

کیٹی :- (جوس کا ایک گھونٹ بھرتی ہے) تو پھر مراد بابا۔

مراد :- آپ یہ جو ٹین کا جوس پیتے ہیں ماٹھے کا، اچھا ہے؟

کیٹی :- (حیرت سے) ہاں۔

مراد :- اس لیے اچھا ہے کہ آپ نے کبھی تازہ ماٹھے کا رس تو پیا نہیں کیٹی

بی بی، ٹین میں تو اس کی خوشبو مر جاتی ہے۔ باقی صرف پانی رہ جاتا ہے۔

آپ کو ان کے پاس جانا ہوگا۔

کیٹی :- اور تیمور... وہ مشینی آدمی مجھے جانے دے گا۔

مراد :- تیمور صاحب اچھا آدمی ہے۔

کیٹی :- اور ڈیڈی؟

مراد :- قاسم صاحب بھی اچھا آدمی ہے۔

کیٹی :- تمہارے لیے تو پوری دنیا اچھا آدمی ہے بابا... ڈورائینگ روم کو

دیکھتی ہے، تمہارے خیال میں یہ ایک بڑا سا ٹین ہے جس میں میں

بند ہوں... PACKED ہوں... اور یہاں خوشبو نہیں آسکتی۔ (بیٹھ

کر سوچتی ہے پھر ٹیلی فون کی طرف دیکھتی ہے)

CUT

منظر ۲

(تیمور کا دفتر۔ ایک بہت بڑے ایگزیکٹو کا دفتر۔ تیمور ایک صاحب قسم کا آدمی

نہیں بلکہ ایک پریکٹیکل، تیز اور انتہائی دانش مند کاروباری ہے اور بالکل مشین

کی طرح کام کرتا ہے۔ تیز تیز بولتا ہے۔ سٹریس اور پاؤڈر بہت کم۔ تیمور فون پر

بات کر رہا ہے۔ سامنے قاضی کھڑا ہے۔ اس کا P.O.A ڈبلا پتلا عینک لگانے

باس سے بہت ڈرتا ہے۔ بہت پڑھا لکھا ہے)

تیمور :- (فون پر) LOOK HERE IF YOU CAN'T KEEP

YOUR END OF THE BARGAIN THEN

CAN'T KEEP MINE THE DEAL IS OFF

(قاضی سے) شمشی تھا... اس کے ساتھ کوئی لین دین نہ کیا جائے....

ہاں تو قاضی یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟

قاضی :- کچھ نہیں سر۔

تیمور :- تو پھر جاؤ (قاضی جانے لگتا ہے) سنو۔ میرا خیال ہے میں نے تمہیں بلایا تھا۔

قاضی :- جی سر۔

تیمور :- تو پھر بتاتے کیوں نہیں کہ میں نے تمہیں بلایا تھا۔

قاضی :- آپ نے مجھے بلایا تھا سر۔

تیمور :- (زیر لب بڑبڑاتا ہے) STUPID FISH، اوہ ہاں کل جرمن ڈیلی

گیشن کے ہیڈ نے تمہاری ٹائی کی تعریف کی تھی۔ (قاضی سر ہلاتا ہے) تو شیوڈ

فیش تم نے فوراً اپنی ٹائی اتار کر اسے PRESENT کیوں نہیں کر دی؟

قاضی :- (ٹائی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے) اب کر دوں سر!

تیمور :- جرمنی جا کر کرو گے؟ وہ واپس جا چکے ہیں، آج صبح کی فلائٹ سے۔ قاضی

صاحب آپ نے یونیورسٹی سے بزنس ایڈمن کی ڈگری تو حاصل کر لی ہے

مگر - YOU DON'T KNOW THE A.B.C OF BUSINESS

ہمارے جتنے غیر ملکی کسٹمرز آتے ہیں۔ آپ کو ان کی ہر خواہش پوری کرنی

چاہیے۔ (فون آتا ہے) ... تیمور برہیلو اسد... نہیں نہیں مجھے ٹوٹل

کنسٹن منٹ چاہیے۔ مارکیٹ میں کسی اور کو مت دو۔ اور ہاں میں تین ڈالر فی

درجن زائد PAY کروں گا... ٹھیک ہے... فون بند کرتا ہے) ہاں تو

قاضی صاحب ...

قاضی :- جی سر!

تیمور :- آج کا کیا پروگرام ہے۔

قاضی :- سر جاپانی ڈیلی گیشن کے لیے ہوٹل اکاموڈیشن ریزرو ہو چکی ہے۔ تین

گاڑیاں ان کے ڈسپوزل پر ہوں گی۔ انہیں تمام فیکٹریاں دکھانی جائیں گی۔

تیمور :- اور یہ مت کہہ دینا کہ یہ فیکٹریاں ہماری نہیں ہیں اور ہم صرف ان سے

مال خریدتے ہیں۔

قاضی :- نہیں سر!

تیمور :- (فون اٹھاتا ہے) مس سمیرہ ابھی تک ہانگ کانگ کی کال کیوں نہیں

ملائی آپ نے... ٹھیک ہے، ٹھیک ہے ریماٹنڈ کروائیں انہیں...۔

ہاں تو قاضی۔

قاضی :- رات کو آپ ڈنر دے رہے ہیں...۔

تیمور :- میں نہیں دے رہا۔ تم دے رہے ہو۔ میں صرف آؤں گا۔ (فون آتا ہے)

ہاں... ملاؤ (قاضی سے) میں آجاؤں گا۔ (قاضی جاتا ہے) سیلو کیٹی۔

اے سر پرائز... ہاں ہاں پلیزٹ سر پرائز... آج رات؟ بھئی شام کو

گھوم لیں گے... نہیں... آج رات تو... بس فوراً گرم ہو جاتی ہو کیٹی قاسم

دراصل ابک جاپانی ڈیلی گیشن... وہ جرمن تھے... شادی کے بعد تو...۔

اچھا ہا ہا آجاؤں گا۔ (فون رکھتا ہے تو ایک اور فون بجتا ہے)

CUT

دیکھی کا ڈرائینگ روم، بڑی ڈائینگ ٹیبل جس پر کٹلری اور کراگری بھی ہوئی ہے۔

ویٹر خاموشی سے سروکر رہا ہے، کیٹی، تیمور اور قاسم، تیمور منہ میں ڈالنے

کو ہے کہ منظر کھلتا ہے)

تیمور :- سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قاسم :- OUT OF QUESTION

کیٹی :- مگر کیوں ڈیڈی؟ کیا حرج ہے؟

قاسم :- حرج؟ (کھانسا ہے) ان دیرانوں میں ALL ALONE بھی جان کا خطرہ ہے۔

تیمور :- (مسکرا کر) اور کیٹی ڈیر... وہاں ناشتے کے لیے اٹالین کوفی اور فرینچ روز وغیرہ بھی نہیں ملتے... تم تو دو روز میں توبہ توبہ کرتی بھاگ آؤ گی۔

کیٹی :- میں تمہاری طرح مشین نہیں ہوں۔

تیمور :- GRANTED مگر تمہیں ان آسائشوں کی عادت ہو چکی ہے۔ وہاں صحراؤں میں کہاں دھلکے کھاتی پھر دو گی، اور پتہ ہے اونٹوں میں سے بو بھی آتی ہے۔

THEY SMELL.

قاسم :- تمہاری شادی میں صرف چار ماہ باقی ہیں۔ پیرس کے ڈیزائینر انہی دنوں اپنے LATEST DRESSES کا DISPLAY کرتے ہیں، تم جا کر کم از کم اپنے لیے شاپنگ ہی کرو... کیوں تیمور۔

تیمور :- ہاں کیٹی PARIS WILL DO YOU GOOD.

کیٹی :- مجھے یورپ پسند نہیں۔ ڈیڈی پلیز...

قاسم :- (مسکرا کر) میں یہاں اُداس ہو جاؤں گا تمہارے بغیر...

کیٹی :- آپ کو تو پتہ بھی نہیں چلے گا ڈیڈی اور میں واپس آ جاؤں گی۔ یہاں بھی

تو کئی کئی دن آپ سے ملاقات نہیں ہوتی۔ بس بزنس۔ بزنس۔ بزنس۔

تیمور :- (کھانسا کر) ہاں بزنس... انسان بھی کتنا مجبور ہے (اٹھتا ہے) اب مجھے

جاپانی ڈبلی گیشن کے ساتھ دوبارہ کھانا کھانا ہوگا... اجازت... کیٹی منہ
پھیر رہی ہے، خدا حافظ... (کیٹی اور قاسم ٹھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔
جیسے کچھ کہنے کو باقی نہیں رہا۔

قاسم :- (گھڑی دیکھتا ہے) چند دوست اکٹھے ہو رہے ہیں ایک جگہ... جانا تو
نہیں چاہتا مگر وعدہ کر رکھا ہے... تم دی سی آر پر کوئی مووی دیکھ لو۔ میں جلد
ہی آ جاؤں گا۔ (قدرے شرمندہ سا ہو کر چلا جاتا ہے۔ کیمرا کیٹی پر جاتا ہے بس
کی آنکھوں میں ہلکی نمی ہے)

کیٹی :- اشفاق...

اشفاق یعنی VALET داخل ہوتا ہے۔ یہ شخص بالکل ہوں ہاں نہیں کرتا صرف
خاموشی سے سنتا ہے اور کام کرتا ہے۔

کیٹی :- مراد بابا کو بلاؤ۔

اشفاق جاتا ہے کیٹی بلوچستان والا رسالہ دیکھتی ہے۔ بوڑھے کی تصویر آتی ہے تو کیمرا
اپ ہوتا ہے۔ سامنے مراد بابا کھڑا ہے،

مراد :- جی کیٹی بی بی۔

کیٹی :- بیٹھ جائیں۔

(مراد حسب عادت دوڑ جا کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتا ہے)

کیٹی :- اتنی دور نہیں، آپ کے اور میرے درمیان فاصلے کم ہونے چاہئیں۔

(کیٹی اٹھتی ہے اور مراد کے قریب جا کر تالین پر بیٹھ جاتی ہے)

کیٹی :- آپ نے کہا تھا کہ تیمور صاحب اچھا آدمی ہے۔ (مراد سر ہلاتا ہے) وہ اچھا

آدمی نہیں ہے... میں اور آپ اچھے آدمی ہیں۔ کیونکہ ہم دونوں کو اونٹوں

سے بونہیں آتی۔

منظر ۴

مونٹاژ

مُراد بابا اور کیٹی جہانہ کی سیڑھیاں اتر رہے ہیں۔ کیٹی نے ایک چھٹا سا رباب
ایک کاندھے سے لٹکایا رکھا ہے۔ ایئر پورٹ سے باہر آتے ہیں۔ ایک بس میں سفر کر رہے
ہیں جو کسی دیران سڑک پر جا رہی ہے، بس ایک جگہ رکتی ہے۔ دونوں اترتے ہیں۔ مُراد
اشارہ کرتا ہے، جیسے ادھر میرا گاؤں ہے۔ دونوں پیدل چلنے لگتے ہیں، رات ہو جاتی
ہے۔ ایک چھوٹے سے گاؤں میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک کُتا بھونکتا ہے۔ کیٹی ٹٹمک
کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

کیٹی :- بابا یہ کاشٹے تو نہیں؟

مُراد :- نہیں کیٹی بی بی یہ میرے گاؤں کے کتے ہیں، مجھے پہچانتے ہیں۔

کیٹی :- اور مجھے؟

مُراد :- دہنس کر آپ بھی تو اسی گاؤں کی ہیں بی بی... آئیں وہ سامنے میرا گھر ہے۔

(دونوں چلتے ہیں۔ گھر تک پہنچتے ہیں۔ مُراد دستک دیتا ہے۔ مُراد کا مڈل ایجڈ بیٹا صاع دروازہ
کھولتا ہے۔ باہر اندھیرا ہے۔)

صالح :- کون ہے؟

مُراد :- (ہنستا ہے) کمال ہے ادھر گاؤں کے کتے سبھے پہچان لیتے ہیں اور میرا بیٹا
پوچھتا ہے کہ.....

صالح :- (باہر نکل کر ہم آغوش ہو جاتا ہے) بابا آپ... زب خیر کر رہے، بابا ہم نے
تو سوچا تھا کہ آپ عید کو آئیں گے... کیٹی نو دیکھتا ہے جو خاموش کھڑی رہے۔

مُراد :- یہ کیٹی بی بی ہیں قاسم صاحب کی بیٹی۔

صالح :- (گھبرا کر) اچھا؟... آئیں آئیں۔ بہن آجائیں آپ کا گھر ہے۔

صالح :- (گھر کے اندر جاتے ہوئے) خام۔ ثریا... ادھر آؤ۔ ادھر آؤ۔

دیکھیں! کوٹھڑی سے دو لڑکیاں نکلتی ہیں۔ ایک نوجوان دوسری اس سے دربرس چھوٹی)

صالح :- دیکھو بڑا بابا آیا ہے اور اس کے صاحب کی بیٹی۔

کیٹی :- (ہاتھ بڑھا کر) میرا نام کیٹی ہے۔ (وہ چپکے کھڑی رہتی ہیں اور سننتی ہیں۔

پھر کیٹی آگے بڑھ کر انہیں ملتی ہے)

صالح :- آپ بیٹھو بی بی...

مراد :- تم کیسے ہو صالح۔

صالح :- اللہ کا شکر ہے۔ اور آپ؟

مراد :- اللہ کا شکر ہے...

دستے میں خام دودھ کا گلاس اندر سے لاتی ہے اور کیٹی کو دیتی ہے)

کیٹی :- شکریہ (ایک گھونٹ بھرتی ہے تو ابکانی آتی ہے۔ بمشکل دوسرا گھونٹ

بھرتی ہے۔ اور گلاس رکھ دیتی ہے۔)

خام :- بکری کا دودھ ہے بی بی۔

کیٹی :- بکری کا؟ (منہ بناتی ہے پھر مسکراتی ہے) وہ بس ابھی عادت نہیں

ہے ناں۔

مراد :- (اپنی پوتیوں سے) یہاں کھڑی دیکھتی رہو گی ہمان کی طرف۔ کچھ بندوبست

نہیں کرو گی؟

(دونوں لڑکیاں سننتی ہوئی اندر چلی جاتی ہیں) صالح، ہماری بی بی خانہ بدوشوں

کے بارے میں کتاب لکھ رہی ہے اس لیے ادھر آئی ہے... کوئی قافلہ گذرا ادھر

سے...؟

صالح :- خان زمان کا قافلہ آئے گا پرسوں صبح...

کیٹی :- میں اسے دیکھ سکوں گی؟
صالح :- خان زمان دوست ہے، میں آپ کو لے چلوں گا ادھر۔
(ڈزالو)

(کھانا کھا رہے ہیں)
کیٹی :- یہ مرغی تو بہت مزیدار ہے خانم۔
ثریا :- بی بی ہم اس کے انڈے کھاتے تھے وہ بھی مزیدار (صالح گھورتا ہے تو وہ خاموش ہو جاتی ہے)

کیٹی :- ایک ہی مرغی تھی آپ کے پاس (ثریا چپ رہتی ہے) بہت زیادتی کی
آپ نے مراد بابا (کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتی ہے)
مراد :- (پورے یقین سے) بی بی اللہ نے اس مرغی آپ کا نام لکھا تھا۔ یہ تو
آپ کے لیے تھی... ہم نے تو اسے صرف پکایا ہے۔

(کیٹی بے حد متاثر ہوتی ہے اور کھانے لگتی ہے)

(ڈزالو)

(ایک چھوٹی کوٹھڑی میں سادہ چار پائی۔ دونوں لڑکیاں کیٹی کو بستر دکھاتی ہیں،
اور چلی جاتی ہیں۔ کیٹی سخت بستر پر بیٹھتی ہے اور پھر اسے اپنے شاہانہ بستر کا خیال
آتا ہے۔ دیا بچھا کر سو جاتی ہے)

CUT

منظر ۵

ایک مونٹاژ۔ کیٹی، ثریا اور خانم سے باتیں کر رہی۔ یہ صبح ہو رہی ہے۔
گاؤں میں گھوم رہی ہے اور بڑی دلچسپی سے ہر شے دیکھ رہی ہے۔ رات کو بڑی
خوش خوش کسانا لگاتی ہے اور سو جاتی ہے،
CUT

منظر ۶

(مُراد کا گھسریا صحن۔ مُراد کوئی کام کر رہا ہے مثلاً چار پانی بنا رہا ہے، کیٹی نوٹس

لکھ رہی ہے، لڑکیاں کھانا پکا رہی ہیں، صالح داخل ہوتا ہے،

صالح :- السلام علیکم (سب لوگ جواب دیتے ہیں،

مُراد :- تھک گئے ہو بیٹا۔

صالح :- انسان تھکتا تو ہے باہا... ان کی ماں زندہ رہتی تو شاید مجھے تھکن

بھی نہ ہوتی۔

مُراد :- اللہ کی مرضی صالح۔

صالح :- آپ بھی ہمیں چھوڑ کر ادھر شہر چلے گئے ہیں۔

مُراد :- (آہستہ سے تاکہ کیٹی نہ سُن لے، گزارا نہیں ہوتا تھا اس لیے گیا۔

مرضی سے نہیں گیا، خانم اور ثریا کی شادی ہو جائے تو میں واپس آ جاؤں گا۔

صالح :- (کیٹی سے) آپ کیسے ہو بی بی؟

کیٹی :- ہم اچھے لوگ ہیں، ہمیں اونٹوں سے بڑ نہیں آتی کیوں باہا۔

مُراد :- (دہنتا ہے) ہاں بی بی۔

صالح :- (حیرت زدہ ہو کر دیکھتا ہے۔ پھر کچھ سوچ کر ایک دم کہتا ہے) بی بی جی

خان زمان آ گیا ہے۔

کیٹی :- کون خان زمان؟

صالح :- وہی قافلے والا... اس کا قافلہ تو آ گیا۔ ان کو آپ لوگ تو خانہ بدوش

بولتا ہے۔

کیٹی :- (بے حد خوش) کیا میں اُس سے مل سکتی ہوں، اس کا قافلہ دیکھ سکتی

ہوں؟

مراد :- خان زمان ابھی ادھر رہے گا بی بی۔ کل صبح چلے جانا... دیکھ آنا...
رہنستا ہے اس کے ادنیوں سے بو آتی ہے۔

— CUT —

منظر ۷

داگلی صبح۔ مراد اور کیٹی گھر سے نکلتے ہیں۔ گاؤں سے باہر جاتے ہیں۔ ایک میدان میں خانہ بدوش خیمہ زن ہیں۔ خیموں میں بیٹھی عورتیں کیٹی کو دیکھتی ہیں، کتے بھونکتے ہیں۔ اونٹ جگالی کر رہے ہیں۔ ایک بہت ہار عیب مونچھوں والا خانہ بدوش خان زمان بکری کا بچہ اٹھائے ہوئے آتا ہے۔ دونوں کو آتے ہوئے دیکھتا ہے اور پھر بابا مراد کو پہچان لیتا ہے،

سخی :- اوئے مراد... اوئے بے وفا شخص آج ادھر کدھر آ گیا... آؤ آؤ...

داگے بڑھ کر ہاتھ ملاتا ہے

مراد :- تم کبھی مجھے ملنے کے لیے آئے ہو۔

خان زمان :- تم تو ہر میں رہتے ہو۔ خانہ بدوش کا شہر میں کیا کام دیکھی کی طرف دیکھتا ہے، یہ ٹورسٹ ہے؟

مراد :- نہیں ہم وطن ہے۔ میرے صاحب کی بیٹی ہے۔ تم لوگوں پر کتاب لکھ رہی ہے۔
خان زمان :- اچھا۔ لکھو لکھو۔

کیٹی :- اگر آپ مجھے اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں بتائیں گے تو ضرور لکھوں گی۔ آپ کے کتنے بہن بھائی ہیں؟

خان زمان :- (سوچ کر) چالیس

کیٹی :- چالیس۔

خان زمان :- ہم سب جو اسٹے سفر کرتے ہیں بہن بھائی ہیں...

کیٹی :- (ہنس کر) اس طرح تو آپ کے بچے بھی بہت ہوں گے۔
 خان زمان :- یہ سب میرے بچے بھی ہیں... ادھر آؤ مراد میرے خیمے میں تم کو قبوہ
 پلاؤں... دونوں کو خیمے میں لے جاتا ہے۔

— CUT —

مونٹاژ

کیٹی قافلے میں گھوم پھر کر دیکھ رہی ہے، بچوں کے ساتھ کھیلتی ہے، عورتیں جو کام
 کرتی ہیں وہ کام کرتی ہے۔ اونٹوں کا معائنہ کرتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ مختلف ڈزالو
 دکھاتے ہیں۔ پھر قافلہ جانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اونٹوں پر سامان لاد رہے ہیں،
 خان زمان کوچ کے انتظامات کر رہا ہے، مراد اور کیٹی دیکھ رہے ہیں، جب تیاری
 مکمل ہو جاتی ہے تو خان زمان آتا ہے،

خان زمان :- اچھا خدا حافظ مراد... پھر ملیں گے اگر زندگی ہوتی۔

مراد :- ہاں خان زمان پھر ضرور ملیں گے۔

خان زمان :- خدا آپ کو بی بی امان میں رکھے کیٹی بی بی دیکمیرہ کیٹی پر جو گہری سوچ

میں ہے، جیسے کوئی نیصعلہ کر رہی ہو،

کیٹی :- خان زمان صاحب... آپ کا یہ سفر کتنے روز کا ہے؟

خان زمان :- دس روز جانا ہے اور پھر آدھرا دو دن کے بعد واپس ادھر۔

کیٹی :- اگر... دیکھیں... آپ مجھے ساتھ لے جاسکتے ہیں... میں... آپ کو

کوئی تکلیف نہیں دوں گی۔

خان زمان :- سفر میں تنگی بہت ہوتی ہے۔

مراد :- کیٹی بی بی؟

کیٹی :- بیس پائیس روز کی تو بات ہے مراد بابا...

مُراد :- لیکن تیمور صاحب اور قاسم صاحب ...
 کیٹی :- ان کو پیرا خط مل گیا ہوگا ... اور پھر ان کو بزنس سے کہاں فرصت ہوگی۔
 ہاں تو خان زمان صاحب کیا میں آپ کی ہم سفر بن سکتی ہوں؟
 خان زمان :- (اس کے رک سیک کو اس کے کندھے سے اتارتا ہے) یہ آپ کا
 سامان ہے؟ (ایک اونٹ پر رکھتا ہے) چلو بیٹھو، بسم اللہ کرو (اسے بھی
 اونٹ پر بٹھا دیتا ہے)

(کارواں کے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ بابا مُراد درمیان میں کھڑا ہے۔ پھر میدان خالی رہ
 جاتا ہے اور بابا مُراد اکیلا کھڑا دکھائی دیتا ہے۔)

———— CUT ————

(کیٹی کا ڈرائیونگ روم۔ تیمور اور قاسم ڈائمننگ ٹیبل پر خاموش بیٹھے ہیں۔ ویٹرا ایک
 کونے میں مودب کھڑا ہے۔ قاسم سر اٹھاتا ہے اور ویٹر کو باہر جانے کا اشارہ
 کرتا ہے۔)

قاسم :- پھر کیا کیا جائے؟
 تیمور :- محترمہ پہلے تو یکدم غائب ہو گئیں۔ خیال تھا کہ لوٹ آئیں گی، چند روز میں
 اپنے خانہ بدوش دیکھ کر اور اب لکھتی ہیں کہ میں ابھی دو تین ہفتے تک
 نہیں آسکوں گی ... میں کیا بتاؤں کہ کیا کیا جائے؟
 قاسم :- ذہن میں کبھی کبھار یہ خیال سر اٹھاتا ہے کہ ہم نے اسے وہ رزاقیت، وہ
 دوستی نہیں دی جو اس کی ضرورت تھی اس کا حق تھا ہم پر۔
 تیمور :- لیکن ماڈرن لائف ہمیں اتنا وقت تو نہیں دیتی کہ ہم بچوں کے پاس بیٹھ
 کر گپ لگاتے رہیں۔ ڈیڈی ... آپ جو مشقت کرتے ہیں، میں جو محنت
 کرتا ہوں، وہ کس کے لیے ہے؟

قاسم :- مگر... میں فکر مند ہوں...

تیمور :- وہ OLD GOAT مراد بھی تو ہے اس کے ساتھ۔

قاسم :- ہے... اور بہت نیک اور پُر خلوص آدمی ہے مگر... میں پھر بھی

فکر مند ہوں تیمور... تم اسے جا کر لے کیوں نہیں آتے؟

تیمور :- (چونک کر) میں؟... ڈیڈی میں تو ایک لمبے کے لیے فارغ نہیں ہوں۔

دو تین شپ منٹس بھیجتی ہیں اس ہفتے کے اندر اندر...

قاسم :- تو پھر میں چلا جاتا ہوں۔

تیمور :- آپ کیسے جا سکتے ہیں، آپ کو تو سانس کی تکلیف ہے۔

قاسم :- کیٹی میری بیٹی ہے تیمور اور خدا نخواستہ اگر اسے کچھ ہو گیا تو پھر میں اپنا

سانس بچا کر کیا کروں گا۔

تیمور :- (قدرے سوچ کر) میں قاضی کو بھی ساتھ لے جاتا ہوں مگر مجھے یقین ہے کہ

وہ مہرا میں دھکے کھانے کے بعد اس وقت باقی ایر واپس کراچی آ رہی

ہوگی....

CUT

منظر ۸

کیٹی :- بگ کلوڑ سے ادپن کرتے ہیں، اس کے چہرے پر ایک طمانیت سے

پُر مسکراہٹ ہے، پل آؤٹ کرتے ہیں، تودہ اونٹ پر بیٹھی ہوئی ہے اور کارواں

جا رہا ہے۔

CUT

کارواں کے چند شاٹس - پھر شام ہوتی ہے، کارواں رکتا ہے، نیچے لگتے ہیں...

خان زمان دیکھ بھال کر رہا ہے، کیٹی (وہ تمام وقت کراچی کے جدید ترین لباسوں

میں ہے۔ اُس کا لباس بہت ہی نمایاں طور پر ماڈرن ہونا چاہیے، ہاتھ میں نوٹ بک پکڑے چیزیں لکھ رہی ہے۔ پھر شانہ بدوش عورتیں جو کام کرتی ہیں، ان کے ساتھ شریک ہوتی ہے، بچوں وغیرہ سے کھیلتی ہے،

———— CUT ————

رات ہو چکی ہے، خان زمان کے نیچے میں ایک دوپٹے، ایک دوخانہ بدوش عورتیں اور کئی کھانا کھا کر فارغ ہو چکے ہیں۔

خان زمان :- آپ تو بہت تھک گئی ہوں گی بی بی۔

کیٹی :- میں ہنس کر کہتی ہوں، میں نے تو زندگی کا پہلا سانس آج لیا ہے خان زمان

صاحب میں تو اب تک ایک ڈبے میں بند تھی، پیکڈ تھی۔

خان زمان :- (کچھ نہ سمجھتے ہوئے) اس کا مطلب ہے کہ آپ تھکی نہیں۔

کیٹی :- تھک تو گئی ہوں لیکن آپ کے اونٹوں میں سے مجھے بونہیں آتی۔ THEY

DO NOT SMELL.

خان زمان :- قدرے ناگواری سے، اچھا اچھا، جاؤ اپنے خیموں میں آرام کرو۔

صبح منہ اندھیرت روانہ ہونا ہے۔

دیکھی عورتوں کو سلام کرتی ہے اور باہر آ جاتی ہے،

———— CUT ————

داپنے نیچے کی طرف جا رہی ہے۔ قافلے سے کچھ دور صحرایں اُسے آگ جلتی ہوئی نظر

آتی ہے۔ قدرے خوفزدہ ہوتی ہے مگر پھر تجسس سے مجبور ہو کر قریب جانے لگتی ہے۔

جب وہاں پہنچتی ہے تو آگ کے سامنے ایک بوڑھا بیٹھا ہوا ہے۔ تقریباً ۷۲ برس

کا لیکن جسمانی طور پر بالکل صحت مند اور توانا۔ بڑی بڑی چمکتی ہوئی آنکھیں سفید

فارسی، چہرے پر ریت کے ذرے، آگ کو گھورتا ہے۔

کیٹی :- (ڈرتے ڈرتے) السلام علیکم۔

(بوڑھی نظریں اٹھا کر اسے کچھ دیر کے لیے گھورتا ہے: کیٹی پھر انتہائی خوفزدہ لہجے میں سلام کرتی ہے،

بوڑھا :- وعلیکم السلام

کیٹی بوڑھے سے بے حد متاثر ہے مگر رعب کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ پاتی۔ اور ایک کھیانی اور ڈری ڈری سی مسکراہٹ لیے واپس آجاتی ہے،

CUT

(تیمور اور قاضی اتر پورٹا پر اترتے ہیں، ایک جیپ میں بیٹھتے ہیں، شہر سے نکل کر باہر پھر ویران پہاڑی سڑک پر۔ اُس جگہ جہاں مُراد اور کیٹی اترے تھے، رکتے ہیں، کسی سے راستہ پوچھتے ہیں اور مُراد کے گاؤں میں پہنچتے ہیں،

CUT

(مُراد کا گھر۔ مُراد بتا چکا ہے کہ کیٹی کارواں کے ساتھ جا چکی ہے، قاضی چارپائی پر بیٹھا ہے، تیمور کا موڈ خراب ہے۔ یہ منظر نسبتاً ناسٹ ریکارڈ کیا جائے،

تیمور :- تم نے اسے جانے کیوں دیا؟

مُراد :- وہ تو آپ کے روکے نہیں رکتی تھیں تیمور صاحب میں تو....

تیمور :- یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے... یہ خانہ بدوش تو جرائم پیشہ اور خطرناک

قسم کے لوگ ہوتے ہیں، کیوں قاضی۔

قاضی :- میں نے کبھی کوئی خانہ بدوش دیکھا نہیں جی...

مُراد :- خان زمان میرا بھائی ہے صاحب، میرے جیسا ایک آدمی۔

تیمور :- (کچھ سوچ کر) وہ کتنی دُور گئے ہوں گے؟

مُراد :- تین دن ہو گئے... انہیں کوپن کیے ہوئے۔

تیمور :- قاضی

قاضی :- (اچھل کر کھڑا ہوتا ہے) جی سر!

تیمور :- دو اور چیپوں کا بندوبست کرو۔ سفر کے لیے ڈبوں میں بند خوراک، دودھ، کافی وغیرہ اور دینیے، سلیپنگ بیگز وغیرہ ہم بھی کل صبح کوچ کر جائیں گے۔

قاضی نوٹ بکس پر تمام چیزیں اس دوران لکھتا ہے اور آخری فقرے کے ختم ہوتے ہی باہر نکل جاتا ہے،

تیمور :- (مُراد کی طرف دیکھتے ہوئے) یہ سب تمہارا قصور ہے۔

———— CUT ————

دھرا میں تین جیپیں دھول اڑاتی ہوئی جا رہی ہیں۔ ان میں ایک میں قاضی اور تیمور ہیں۔ دوسری میں بابا مُراد اور تیسری میں صرف ڈرائیور اور کچھ سامان ہے،

———— CUT ————

(کارواں سے دور پیرخان کو دکھایا جائے جو اپنی دُھن میں مگن ساڑھ جاتا ہوا جا رہا ہے، کارواں جا رہا ہے۔ کیٹی اور خان زمان پیدل چل رہے ہیں۔ کیٹی کا لباس وہی ہے مگر دھوپ میں چلنے سے اس کا چہرہ قدرے وحشی سا لگ رہا ہے،

کیٹی :- خان زمان آپ کا کبھی جی نہیں چاہا کہ آپ کا ایک گھر ہو۔

خان زمان :- (اونٹوں پر بندھے خیموں کی طرف اشارہ کرتا ہے) گھر تو ہے کیٹی جی!۔

کیٹی :- نہیں یہ والا نہیں، اینٹ اور سیمنٹ سے بنا ہوا بالکل پتکا گھر۔

خان زمان :- ایسا گھر تو ڈرے ہوئے لوگ بناتے ہیں۔ اپنے آپ کو چھپانے کے لیے۔

ہم کسی سے نہیں ڈرتا (ساتھ ساتھ اونٹوں کو آواز لگا رہا ہے) بالکل پتکا

گھر تو ایک ہی ہے قبر زندہ لوگ قبر میں کیوں بند ہو؟ آپ تنگ کیا ہوتو

اونٹ پر بیٹھ جاؤ۔

کیٹی :- تھک تو گئی ہوں خان زمان (ہنستی ہے) صرف چار دن میں کیٹی نام۔
 کیٹی خانہ بدوش تو نہیں بن سکتی۔ (اونٹوں کی طرف دیکھتی ہے) پھپھلی شب
 والے بوڑھے پر نظر پڑتی ہے جو بالکل سامنے دیکھ رہا ہے۔ ایک اونٹنی پر
 سوار ہے۔ خان زمان یہ بوڑھا آپ کے قبیلے کا ہے ؟

خان زمان :- نہیں۔

کیٹی :- کون ہے ؟

خان زمان :- پتہ نہیں چھ سات روز پہلے صحرا میں سے اس طرح نمودار
 ہوا، جیسے ریت کا ایک بگولا ہو ... کہنے لگا، کدھر جا رہے ہو؟ میں نے اپنی
 منزل کا بتایا، بولا میں بھی ادھر کو جاتا ہوں ہمارا ہم سفر بن گیا۔
 کیٹی :- لیکن یہ ہے کون؟ کہاں سے آیا ہے؟ کہاں جائے گا؟

خان زمان :- صحرا سے نکلا ہے، صحرا میں گم ہو جائے گا ... ہو ہو ہو (اونٹوں
 کی طرف جاتا ہے)

کیٹی :- (بوڑھے کی طرف دیکھتی ہے)

CUT

رات کا وقت، کارواں خیمہ زن ہے۔ کیٹی کے پہرے کو دکھاتے ہیں۔ پہر کارواں سے
 پہرے بوڑھے (نکل شیر) کو آگ کے سامنے بیٹھے دکھاتے ہیں۔ بوڑھے کے کلوز پر خان زمان
 کی آواز اور لپ ہوتی ہے۔ صحرا میں سے اس طرح نمودار ہوا جیسے ریت کا ایک
 بگولا ہو صحرا سے نکلا ہے، صحرا میں گم ہو جائے گا۔ کیٹی اسے دیکھتی رہتی ہے پھر
 جلدی سے اپنے نیچے میں سے ایک پلیٹ اور ایک گلاس لاتی ہے اور بوڑھے کی طرف
 جاتی ہے،

کیٹی :- (جھپکتے ہوئے) آپ کے لیے کھانا ... دکھانا اس کے آگے رکھ دیتی ہے۔

وہ فاموش بیٹھا رہتا ہے،

کیٹی :- میں یہاں ... بیٹھ جاؤں، (گل شیر آنکھوں سے اشارہ کرتا ہے کہ بیٹھ جاؤ)

کیٹی :- آپ کچھ کھائیں بابا ...

گل شیر :- (مسکراتا ہے) میں نے کھالیا۔

کیٹی :- (جلدی سے) میرا نام کیٹی قاسم ہے اور آپ کا ...

گل شیر :- گل شیر

کیٹی :- بہت رعب دار نام ہے ... آپ کہاں سے آئے ہیں؟

گل شیر :- (صحرائی طرف) ادھر سے

کیٹی :- اور کہاں جائیں گے؟

گل شیر :- (مخالف سمت میں اشارہ) ادھر (کھانتا ہے۔ کھانسی کا مختصر دورہ)

کیٹی :- آپ بیمار ہیں؟

گل شیر :- (پلیٹ اور گلاس اٹھاتا ہے) تم جاؤ (پھر کھانتا ہے)

(کیٹی پلیٹ اور گلاس اٹھا کر واپس چل دیتی ہے۔ مگر پیچھے دیکھتی رہتی ہے۔ گل شیر

کھانسی کی وجہ سے دہرا ہورہا ہے۔)

CUT

(صحرائی تین جیپیں۔ آگے والی جیپ رکتی ہے۔ ڈرائیور باہر آتا ہے۔ ادھر ادھر

دیکھتا ہے)

تیمور :- (بے صبری سے) اب کیا ہوا ہے؟

ڈرائیور :- صاحب ہم رستہ بھول گئے ہیں۔

تیمور :- OH GOD، قاضی۔

قاضی :- YES SIR.

تیمور :- یہ کس قسم کا گائیڈ ہے کہ رستہ بھول گیا ہے .

قاضی :- بس یہی ملا تھا سر .

ڈرائیور :- صاحب آپ انسری بہت کرتا ہے اس لیے ہم رستہ بھول گیا . . .

تیمور :- (اُسے گھورتا ہے) کیٹی قاسم اگر تم مجھے مل گئیں تو دیکھو میں تمہارا کیا حشر

کرتا ہوں . . . کچھ اندازہ بھی نہیں ؟

ڈرائیور :- میرا خیال ہے کہ . . . شاید ادھر

تیمور :- تو پھر چلو

(ہیپوں میں بیٹھتے ہیں، جیپیں جا رہی ہیں . دُور پیرخان اپنا ساڑھلے میں ڈالے

اکیلا جا رہا ہے . تیمور جیپ روکتا ہے)

تیمور :- ہے . . . ہیلومسٹر

پیر :- سلام صاحب .

تیمور :- کون ہو تم ؟

پیر :- پیرخان .

تیمور :- کہاں جا رہے ہو ؟

پیر :- کہیں بھی نہیں .

تیمور :- (چاروں طرف دیکھ کر) اکیلے سفر کرتے ہوئے ڈر نہیں لگتا .

پیر :- (اپنے ساڑھلے کو ہاتھ لگا کر) اکیلا نہیں ہے . یہ دوست میرے ساتھ ہے .

تیمور :- گھر کہاں ہے تمہارا ؟

پیر :- گھر ؟

تیمور :- رہتے کہاں ہو ؟

پیر :- (اپنے چاروں طرف اشارہ کر کے) ادھر . . . یہ میرا گھر ہے . . . دہن ہے .

(یہاں پر تیمور کا عالی شان گھر اور پھر ان پہاڑوں کا ایک مونٹناژ)

قاضی :- پیر صاحب ادھر سے کوئی قافلہ گذرا ہے ؟

پیر :- گذرا ہے... ادھر کو جا رہا تھا۔

تیمور :- (جلدی سے) تو پھر ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ، ہمیں راستہ بتاؤ۔

(پیر جھکتے ہوئے بیٹھ جاتا ہے اور ایک طرف اشارہ کرتا ہے۔ جیپیں چل دیتی

ہیں۔ تھوڑی دور جا کر جیپیں رکتی ہیں۔)

تیمور :- اب کیا بات ہے ؟

(پیر خاموشی سے اترتا ہے، جیپوں سے کچھ دور جا کر ریت دیکھتا ہے۔ پھر آسمان

کی طرف دیکھتا ہے۔ کچھ سو نگھتا ہے اور واپس آ جاتا ہے)

پیر :- صاحب ہم اپنے وطن میں اونٹ پر جاتا ہے یا پیدل چلتا ہے اور راستہ ہم کو خود

بنو داتا ہے... لیکن اس موٹر کار پر نہیں آتا ہے۔ اس لیے نیچے اتر کر زمین

پر پاؤں رکھا تو زمین نے راستہ بتایا... ادھر چلو۔

(تیمور کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر ہلاتا ہے۔ اور جیپیں چل دیتی ہیں)

CUT

رات کا وقت، جیپیں کھڑی ہیں۔ تیمور قاضی، پیر خان آگ کے قریب بیٹھے ہیں۔

ڈرائیور اور مراد آتے ہیں۔ ہاتھ میں کچھ خوراک۔

مراد :- صاحب ایک بیٹروں والے نے مہربانی کی... یہ تھوڑا سا دودھ اور روٹی۔

تیمور :- قاضی، کیا خوراک کے تمام ٹن ختم ہو گئے ہیں ؟

قاضی :- جی سر... بس اتنی ہی ملے تھے۔

تیمور ہنس کر روٹی چباتا ہے اور دودھ گھونٹ بھرتا ہے

(ڈرالو)

(مرف تیمور اور قاضی بیٹھے ہیں۔ کچھ فاصلے پر پیرخان بیٹھا اپنا ساز بجا رہا ہے، تیمور :- میں کبھی زمین کی قربت میں نہیں رہا۔ زندگی فلیٹوں اور دفاتروں میں

گزار دی ...

قاضی :- یقیناً ایک شاندار زندگی سر۔

تیمور :- (اردگرد اشارہ کر کے) کیا یہ سب کچھ شاندار نہیں ہے ... اس زمین،

اس صحرائے مجھے دھیما کر دیا ہے، میں اپنی پریسنگ انگیجنٹس اور کاروباری

بھاگ دوڑ بھولتا جا رہا ہوں۔

قاضی :- اگلے ہفتے آپ کو شاک ہوم کی انٹرنیشنل نمائش پر جانا ہے۔

تیمور :- میں نہیں بھی نہیں جا رہا قاضی ... کہیں بھی نہیں (مسکرا کر اٹھیں

بند کر لیتا ہے)

CUT

(کارواں خیمہ زن ہے۔ گل شیراگ کے سامنے بیٹھا ہے کیٹی آتی ہے)

گل شیرا :- (مسکرا کر) آجاؤ... آؤ... بیٹھو...

کیٹی اس کی مہربانی پر حیران ہے اور بیٹھ جاتی ہے)

گل شیرا :- آج میرے لیے کھانا نہیں لائی؟

کیٹی :- (ناراض ہو کر) آپ نے کل جو نہیں کھایا تھا۔

گل شیرا :- (شرارت سے) تمہارے جانے کے بعد کھالیا تھا... کیٹی اٹھنے لگتی

ہے جیسے کھانا لانے جا رہی ہو، نہیں نہیں آج میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔ کل

گھر جا کر کھاؤں گا۔

کیٹی :- گھر؟ آپ کا گھر کیسا ہے باباجی۔

گل شیرا :- پتہ نہیں اب کیسا ہے... مجھے پچاس سال ہو گئے اس کا دروازہ دیکھو

ہوئے....

کیٹی :- پچاس؟ .. کہاں رہے آپ اتنے سال؟

گل شیر :- خدا کی اس زمین پر... اس وسیع صحرا کی آغوش میں...

کیٹی :- آپ گھر کیوں نہ گئے؟

گل شیر :- میں گھر جا نہیں سکتا تھا.

کیٹی :- لیکن کیوں!

گل شیر :- (آگ کو ایک لکڑی سے الٹا پلٹتا ہے) آگ... مجھ گئی ہے... باقی

راکھ ہے.

کیٹی :- آپ پچاس برس تک گھر کیوں نہ گئے بابا؟

گل شیر :- اب میں گھر کے قریب ہوں. مجھے اس کے فرش، دروازوں اور دیواروں

کی خوشبو آرہی ہے... میرا چہرہ دکھیتی ہو؟ اس پر پچاس برس کی

جدائی کی ریت ہے... کل یہ جدائی ختم ہو جائے گی

کیٹی :- آپ گھر کیوں نہ گئے بابا؟

گل شیر :- مجھے گھرنے اپنے آپ میں سے نکال دیا بیٹے. مجھے جلا وطن کر دیا... صرف ایک

چہرے کی چاہت کی خاطر.

کیٹی :- وہ کس کا چہرہ تھا؟

گل شیر :- حسن بانو کا... (وہ ماضی میں جا چکا ہے. یہاں پر یا تو گل شیر بولتا رہے

یا اس کے اور کیٹی کے چہرے پر ڈائیلگ اور ریپ کے جائیں... مشکل سے

پندرہ بیس گھریے تھے ہمارے گاؤں میں... سب کے سب قلعوں کی طرح.

شام سات بجے سب گھروں کے دروازے بند ہو جاتے... دشمن سے خطرے

کی وجہ سے... حسن بانو کو میں نے پہلی مرتبہ اپنے بھائی کی شادی پر دیکھا.

حسن بانو کو دکھایا جائے مسکراتی ہوئی، پرانے بلوچی لباس میں ایک نوخیز لڑکی، میں اس وقت بیس بائیس برس کا تھا۔ (گل شیر کا نوجوان چہرہ دکھایا جاتا ہے، ہمارے گاؤں والے غیور لوگ تھے۔ سخت لوگ تھے۔ اس قسم کا ملنا جلنا پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر ہم دونوں مجبور ہو گئے۔۔۔ حسن بانو کے حسن نے اور میرے دل کے سچ نے ہمیں مجبور کر دیا۔۔۔ شام سے پہلے ہم گاؤں سے باہر آجاتے اور بچوں جیسی معصوم باتیں کرتے (فلپش بیک۔ حسن بانو اور شیر گل کسی ٹیلے کی ادٹ میں بیٹھے مسکرا رہے ہیں، حسن بانو تم نے آج کھایا کیا تھا؟ گل شیر تمہاری اونٹنی اب دودھ کیوں نہیں دیتی، بس اسی قسم کی باتیں۔۔۔ اور پھر ہم شام اترنے سے پہلے، گھروں کے دروازے بند ہونے سے پیشتر گاؤں واپس آجاتے۔ ایک روز پتہ نہیں کیسے وقت ہمارے پاس سے گزر گیا۔ ہم باتیں کرتے رہے۔ اور ہمیں دیر ہو گئی۔ گاؤں واپس جانے کے بعد جب میں اپنے گھر کے قریب پہنچا تو۔۔۔

_____ فلپش بیک _____

(چند گھروں کا گاؤں۔ درمیان میں ایک چوڑی ریت آلود گلی یا سڑک، گل شیر اپنے گھر کے قریب پہنچ چکا ہے۔ پیچھے سے کسی کے بھاگنے کی آواز آتی ہے۔ مڑ کر دیکھتا ہے تو حسن بانو اندھا دھند بھاگتی چلی آ رہی ہے۔ گل شیر آگے بڑھتا ہے،
 گل شیر: بانو... ادھر کدھر آ رہی ہو؟
 بانو:۔۔ (سراسیمہ۔ خوفزدہ) گل شیر غضب ہو گیا...
 گل شیر: کیا ہوا ہے؟
 بانو:۔۔ میرے گھر کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔
 گل شیر:۔۔ اوہ خدایا۔

بانو :- اگر میں دستک دوں تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ میں گھر کے اندر نہیں تھی
باہر تھی ۔

گل شیر :- اب کیا کرو گی ؟

بانو :- (سنبھلتے ہوئے) اب تم کیا کرو گے گل شیر۔

گل شیر :- میں ؟

بانو :- اگر میں دستک دیتی ہوں تو اندر سے موت باہر آئے گی... اب میں تمہاری

ذمہ داری ہوں گل شیر۔

(گل شیر کچھ جھجکتا ہے اور پھر حسن بانو کا ہاتھ پکڑ کر گاؤں سے باہر نکل جاتا ہے)

————— فلپش بیک ختم —————

میں نے ایک مرد کی طرح حسن بانو کو اپنی ذمہ داری سمجھا اور شہر جا کر اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ ہم گاؤں تو واپس نہیں جاسکتے تھے۔ اس لیے میں نے وہیں ایک کوٹھڑی کرائے پری اور چھوٹی موٹی مزدوری کرنے لگا۔ اس طرح چار ماہ گزر گئے۔ ایک روز میں مزدوری کر کے گھر واپس آیا...

————— فلپش بیک شروع —————

(گل شیر کوٹھڑی کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ حسن بانو کھولتی ہے۔ وہ بے حد خوش ہے۔)

حسن بانو :- گل شیر تمہارا بابا آیا ہے ۔

گل بانو :- بابا ؟ (کوئی ہیں بیٹھا جہان شیر اٹھتا ہے۔ دونوں گلے ملتے ہیں،)

جہان شیر :- (اپنی اولاد سے شدید محبت کرنے والا بوڑھا ہے) میں بہت مارا مارا

پھلا تمہیں تلاش کرنے کے لیے گل شیر...

گل شیر :- مہجوری تھی بابا... لیکن میں بہت ادا اس تھا تمہارے لیے۔

جہاں شیر :- اور میں بھی ... میں بھی (اب مختلف انداز میں بولتا ہے جیسے کچھ چھپا رہا ہے)
میں تم دونوں کو لینے آیا ہوں .

حسن بانو :- نہیں بابا .

گل شیر :- گاؤں والے ہمیں مار ڈالیں گے بابا .

جہاں شیر :- کوئی ماں ایسی نہیں ہے جس کا بیٹا میرے بیٹے پر ہاتھ اٹھائے ...

گل شیر :- ہمارے بعد جرگہ بیٹھا تھا ؟

جہاں شیر :- جرگے کا فیصلہ تھا کہ گل شیر اور حسن بانو نے اگر شادی کر لی ہے تو وہ گاؤں

واپس آسکتے ہیں .

گل شیر :- سچ بابا ؟ ... حسن بانو میں نے صرف تمہارے لیے گاؤں چھوڑا تھا ورنہ

میں اپنے گھر کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ... چلو اٹھاؤ سامان .

_____ فلیش بیک ختم _____

ہم دونوں خوش خوش بابا کے ساتھ چلے گئے . گاؤں پہنچتے ہی حسن بانو کے بھائی

اور باپ آگئے . ان کے آتے ہی پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت میرے باپ اور

بھائیوں نے مجھے زمین پر گرا لیا اور پھر میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کوٹھڑی میں

بند کر دیا . ادھر حسن بانو کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا . میرے باپ نے مجھ سے دھوکہ

کیا تھا . جرگے کا فیصلہ تھا کہ میرا باپ لڑکی کو واپس لائے . اور پھر ہم دونوں کو

وہی سزا دی جائے جو حسن بانو کے بھائی اور باپ تجویز کریں .

(مندرجہ بالا مکالمے کے دوران فلیش بیک استعمال کیا جائے جس میں شیر گل اور

حسن بانو کو بڑی بے دردی سے باندھ کر اندھیری کوٹھڑیوں میں بند کیا جا رہا ہے .

اس میں ایک شاٹ شامل کیا جائے . دو پرائی توڑے دار بند وقتیں ایک کونے

میں رکھی ہیں . ان کی طرف دو ہاتھ بڑھتے ہیں ، اٹھاتے ہیں اور پل آؤٹ کرنے پر

وہ حُسن بانو کے دونوں جوان بھائی ہیں، جن کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا ہے،
انگلے روز حُسن بانو کا باپ ہمارے گھر آیا۔

————— فلپش بیک —————

(حُسن بانو کا باپ اور جہان شیر آمنے سامنے کھڑے ہیں)

حُسن بانو کا باپ :- گل شیر میرے ہاتھ دیکھ رہے ہو؟ میں ان کو دھوکرا آیا ہوں۔
(مختصر خاموشی) میں نے اپنے صحن کی مٹی کو برابر کر دیا ہے۔ اس کے نیچے حُسن بانو
کا مُردہ جسم ہے۔

جہان شیر :- تم نے ظلم کیا... تم کہتے تھے کہ انصاف کریں گے۔

حُسن بانو کا باپ :- جرگے کا فیصلہ تھا کہ جو میں کہوں گا وہ تم نہیں کرنا ہوگا...
میری بیٹی اس وقت زمین کے اندر ہے۔ کل صبح تک تمہارے بیٹے کو بھی اس
کے پاس ہونا چاہیے۔ یہی میرا فیصلہ ہے۔

(ڈرالو)

(رات کا وقت۔ گل شیر بندھا پڑا ہے۔ جہان شیر آتا ہے۔ بیٹے میں سے خنجر نکالتا
ہے۔ مگر اسے مار نہیں سکتا۔ گل شیر اوندھا پڑا ہے۔ (ڈرالو) دوبارہ آتا ہے خنجر
نکالتا ہے اور مکمل ارادے سے گل شیر کو سیدھا کرتا ہے۔ خنجر اٹھاتا ہے۔ گل شیر جرم
طلب نظروں سے دیکھتا ہے۔ پھر جہان شیر کے چہرے پر کوئی ماں ایسی نہیں ہے جس
کا بیٹا میرے بیٹے پر ہاتھ اٹھائے، اور لیپ ہوتا ہے۔ خنجر نیچے آتا ہے اور پھر
وہ جلدی سے اس کے پاؤں اور ہاتھ کھولتا ہے اور غصے سے تقریباً دھکیلتا ہوا
اسے گھر سے باہر نکال دیتا ہے۔)

————— فلپش بیک ختم —————

میں گاؤں سے بھاگا اور صحرا میں گم ہو گیا۔ مجھے آنا دکر دینے کے جرم میں حُسن بانو کے

بھائیوں نے میرے سب سے بڑے بھائی کو قتل کر ڈالا... اور میں صھرا میں گم رہا پچاس برس کیونکہ میں گھر واپس نہیں جاسکتا تھا... وہاں موت میری منتظر تھی... میں اپنی زندگی کی خاطر ویرانوں اور بیا بانوں میں گھومتا رہا، سوائے کسی اشد ضرورت کے کسی ذی روح سے بات تک نہ کی۔ البتہ جب مات ہوتی تو صھرا کی تنہائیوں میں ریت پر لیٹے ہوئے حُسن بانو کا چہرہ میرے سامنے آجاتا، میں اس سے باتیں کرتا رہتا، پھر حُسن بانو کا چہرہ توجوان ہی رہا، مگر میں بڑھا ہوا ہو گیا، میرے چہرے کی جھریوں میں ریت بھرنے لگی، مجھے گھریا دآنے لگا، اس کی دیواروں اور دروازوں کی چاہت کے لیے چھوٹے بچے کی طرح بلکنے لگا، زمین کی کشش نے مجھے بے بس کر دیا اور... کل پچاس برس بعد میں اپنے گھر جاؤں گا، وہاں کوئی تو زندہ ہوگا، کوئی بہن، بھائی... کوئی بھی نہ ہو تو گھر تو ہوگا۔

(کیٹی دم بخود بیٹھی ہے، اپنے سر کو جھٹکتی ہے جیسے یقین نہ آ رہا ہو)

کیٹی :- لیکن بابا اگر حُسن بانو کا کوئی رشتہ دار زندہ ہوا تو؟

گل شیر :- وہ میرے انتظار میں ہوگا۔

کیٹی :- پھر آپ کیوں واپس جاتے ہیں؟

گل شیر :- کیوں! میں اپنے گھر کے لیے اداس ہوں، اپنے گاؤں کی مٹی کی خوشبو

سونگھنا چاہتا ہوں... چاہے وہ قبر کی مٹی ہی کیوں نہ ہو۔

کیٹی :- آپ کا گھر یہاں سے کتنی دور ہے بابا؟

گل شیر :- (ایک طرف دیکھتے ہوئے) وہ... ادھر... اس ٹیلے کے پیچھے۔

کیٹی :- آپ ابھی جائیں گے؟

گل شیر :- (دسر ہلا کر) میں دن کی روشنی میں اپنا گھر دیکھوں گا... کل صبح...

انشاء اللہ

کیٹی :- (جھکتے ہوئے) کیا میں آپ کے ساتھ... میرا مطلب ہے تھوڑی دوز تک آپ کے ساتھ جاسکتی ہوں۔

گل شیر :- (مسکرا کر) اگر حسن بانو کی کوئی بیٹی ہوتی تو آج اس کی بیٹی تمہارے جتنی ہوتی۔ آجانا... لیکن صرف اس ٹیلے تک... گاؤں کے اندر کا کیا پتہ، وہاں گھر کے دروازے کھلے ہوں یا موت کی باہیں...

CUT

داگی صبح گل شیر اور کیٹی چل رہے ہیں۔ ٹیلہ آتا ہے۔ گل شیر، کیٹی کے ماتھے پر بوسہ دیتا ہے۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ کیٹی آبدیدہ ہے، اس کا بازو دیکر کر روکنے کی کوشش بھی کرتی ہے۔ کیمرا کیٹی کی پشت سے شاٹ لیتا ہے۔ کیٹی کا کندھا... گل شیر ٹیلے سے اتر رہا ہے۔ پھر ایک پرانی کوٹھڑی کا دروازہ کھلتا ہے جس میں وہی ٹوڑے دار بند قین رکھی ہیں۔ ان کی طرف دو رعشہ زدہ ہاتھ بڑھتے ہیں۔ بند قین اٹھلتے ہیں۔ پیل آؤٹ کرتے ہیں تو وہ حسن بانو کے بوڑھے اور کمزور بھائی ہیں اور ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا ہے۔ کٹ کر کے واپس آتے ہیں۔ تو گل شیر گاؤں کے اندر داخل ہوتا ہے۔ لانگ شاٹ میں۔ اب دوسرا شاٹ گاؤں کی طرف سے ٹیلے پر کھڑی کیٹی کا ہے۔ کیمرا زوم ان ہو رہا ہے، اور اس کے ساتھ اسپینس کی موسیقی ہے۔ جب کیٹی کا BCU آتا ہے تو اس کا چہرہ کانپ رہا ہے۔ ایک فائر کی آواز۔ کیٹی کانپتی ہے۔ دوسرے فائر کی آواز۔ کیٹی بے تماشاً رونے لگتی ہے۔ روتی رہتی ہے۔ گاؤں کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔ جو سنسان ہے، کیٹی کے رونے کے دوران کوئی موسیقی نہیں، صرف خاموشی ہے۔ پھر کیٹی کی سسکیوں کے درمیان چیپوں کے انجنوں کی آواز دھیرے دھیرے ابھرتی ہے، آواز بلند ہوتی ہے پھر بالآخر بند ہو جاتی ہے۔ اسی لمحے ٹیلے کی دوسری جانب تین چیپیں رکتی ہیں۔ تیمور

اُتر کر ٹیلے پر کھڑی کیٹی کو دیکھتا ہے۔ جو گاؤں کی طرف دیکھتے ہوئے رو رہی ہے۔
اور پھر آہستہ آہستہ تیمور کیٹی کی جانب بڑھنے لگتا ہے۔

CUT

اختتام

○ عیث بدنام کیا

درمیانے درجے کا ایک گھر۔ ضرورت کی ہر شے موجود مگر پرانی طرز کی۔ اشیاں
قرینے سے سچی ہیں۔ تمام عمر سنیر کلر کی پس گزارنے کے بعد بطور سپرنٹنڈنٹ ریٹائر
ہونے والے ایک شخص کا گھر۔ واجبی سا ڈرائینگ روم۔ ایک مشترکہ بیڈ روم، باورچی
خانہ۔ مختصر سا باغیچہ۔

سین نمبر ۱

رات کا پچھلا پہرہ۔ مشترکہ بیڈ روم۔ ایک طرف ماں اور باپ گہری نیند سوئے
ہوئے ہیں۔ بند کھڑکی کے قریب صابر کا بستر ہے۔ کھڑکی کے شیشوں میں سے گلی کے
پارے کا ایک کھمبیا نظر آ رہا ہے۔ کھمبے پر بجلی کا بلب روشن ہے۔ صابر بے چینی سے کروڑیں
بدل رہا ہے۔ اس کی آنکھیں ٹھلی ہیں۔ بار بار سر ہانے تلے رکھی گھڑی نکال کر وقت
دیکھتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد گلی میں سے ایک آدھ رکٹیا یا ٹرک گزرنے کی آواز آتی ہے۔
پھر چڑیوں کے چھپانے کا ہلکا ہلکا شور۔ صابر کڑوٹ بدل کر کھمبے پر چلتے بلب پر نظریں
جمادیتا ہے، جیسے وہ جانتا ہے کہ یہ اب گل ہونے کو ہے۔ ایک مختصر وقفے کے بعد
بلب گل ہو جاتا ہے۔ کمرے میں تاریکی بڑھ جاتی ہے۔ نگر صبح کے آثار نمایاں ہیں صابر
دبے پاؤں چوروں کی طرح اٹھتا ہے۔ کمبل لپیٹ کر باہر جانے لگتا ہے۔ زمین پر پڑا

گلاس اس کی ٹھوکری سے گرتا ہے۔ باپ اپنی چھتری کو ٹٹولتا ہوا آنکھیں کھولتا ہے۔

باپ :- کون ہے ؟

صابر خاموش کھڑا ہوتا ہے۔

باپ :- (قدرے بلند آواز سے) کون ہے ؟

صابر بت بنا کھڑا ہے۔

باپ :- میں کہتا ہوں....

ماں اُونگھتے ہوئے سراٹھاتی ہے۔

ماں :- (بات کاٹ کر) آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کون ہے۔ ہمارے گھر میں

مُنہ اندھیرے اور کون اٹھتا ہے۔

باپ :- (بستر پر لیٹتے ہوئے) اچھا اچھا۔ صابر بیٹا ہے۔ مجھے روز ہی یاد نہیں

رہتا۔ (کیبل منہ پر ڈالتے ہوئے) بھیٹی کم از کم جواب تو دے دیا کرو۔

صابر فقرہ مکمل ہونے سے پیشتر ہی باہر نکل جاتا ہے۔ اس دروازے میں سے جو

صحن میں کھلتا ہے۔ صحن چھوٹا سا برآمدہ ہے۔ جس میں ایک آرام گرسی رکھی ہے۔

گرسی کا ایک بازو ڈٹوٹا ہوا ہے۔ مختصر صحن کو باغیچے کی شکل دینے کے لیے چند گملے

کونوں میں دھرے ہیں۔ صحن کے درمیان میں کپڑے سکھانے کے لیے ایک رستی تنی

ہوتی ہے۔ مشرقی دیوار قدرے شکستہ ہے۔ صابر گرسی کا زاویہ درست کرتا ہے۔

اور بیٹھ کر مشرقی دیوار کے عین اوپر نیم سیاہ آسمان کے ٹکڑے پر نظریں جما دیتا

ہے۔ آہستہ آہستہ باہر لگی میں گزرنے والی ٹریفک بڑھتی جاتی ہے۔ چڑیوں کا شور

بلند ہوتا ہے۔ اور آسمان کا ٹکڑا روشن ہونے لگتا ہے۔ پھر سورج دیوار کی اوٹ

میں سے ظاہر ہوتا ہے۔ صابر کا چہرہ ایک دم مسرت سے دکنے لگتا ہے۔ چندھیانی

ہوتی آنکھوں سے سورج کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔ اس کے چہرے سورج سے

محبت میں مبتلا ہونے کے سے جذبات ہیں۔ وہ بالکل مبہوت ہے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر جیسے TRANCE میں ہو۔ اس دوران میں موسیقی بتدریج بلند ہو رہی ہے۔ بالآخر ایک ہاتھ سورج کی طرف بڑھاتا ہے۔ بند مٹھی کھولتا ہے۔ ایسے زاویے پر جس میں سورج اس کی تھیلی کے درمیان میں دکھائی دیتا ہے۔ مٹھی بند کر لیتا ہے۔ جیسے اُس نے سورج کو مقید کر لیا ہو۔ اپنے اندر جذب کر لیا ہو۔ چہرہ پسینے سے تر ہو جاتا ہے۔ فلیش بیک میں ایک چھ سالہ بچے کا بڑا کلوز اپ۔ بچہ ہستنا ہوا کلوز اپ ڈم۔ تسلیاں پکڑنے کا جال بنا ہوا۔ کلوز اپ۔ بچے کا کلوز مگر چہرے کے آگے جال بنا ہوا۔ بچہ ہستنا ہوا۔

بلینک سپیس۔ اس سپیس میں تسلیاں پکڑنے کا جال نمودار ہوتا ہے اور سٹل ہو جاتا ہے۔ جال کے ہینڈل پر بچے کا ہاتھ۔ بچے کی بند مٹھی میں جگنو چمک رہا ہے۔ تاریکی میں مٹھی انگلیوں کی درمیانی جگہ سے روشنی آ رہی ہے۔

فلیش بیک ختم۔

بچے کی بند مٹھی پر آہستہ آہستہ صابری بند مٹھی سپر امپوز ہوتی ہے۔ کیمرا ماں پر جاتا ہے جو خاصی دیر سے کواڑ سے لگی صابری کو دیکھ رہی ہے۔ ماں اور صابری کی بند مٹھی کے کلوز۔ ماں صحن کے اندر داخل ہوتی ہے۔ صابری کے آگے اس طرح کٹری ہوتی ہے کہ سورج اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ صابری ایک مختصر وقفے کے بعد چونکتا ہے۔ مٹھی نیچے کر لیتا ہے۔

ماں :- سورج کی جانب یوں متواتر دیکھنے سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں بیٹے۔
صابری :- ہاں! پہلے روشن کرنی آنکھوں میں اترتی ہیں۔ اس کے بعد نظروں کے سامنے تڑمے ناچنے لگتے ہیں۔ اور پھر تاریکی اور روشنی آپس میں یوں

مدغم ہوتی ہیں جھملائی ہیں کہ . . . ہاں شاید آپ درست ہی کہتی ہیں۔
بالآخر آنکھیں چندھی جاتی ہیں۔

ماں :- چلو اٹھو۔ کپڑے بدل کر ناشتہ کر لو۔
صابر :- کر لوں گا۔ آپ چلیے۔

ماں :- چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔

صابر :- اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ مجھے کون سا کام پر جانا ہے۔

ماں :- (سر جھکا کر) انٹرویو کے لیے جانا ہے۔

صابر :- کچھ دیر سوچتا ہے اور اٹھ کھڑا ہوتا ہے، ہاں مجھے آج پھر انٹرویو کے لیے جانا ہے۔

سین نمبر ۲

باورچی خانہ۔ ماں روٹیاں پکا رہی ہے۔ ایک چولہے پر چائے کی کیتلی دھری
ہے۔ جگہ کی تنگی یوں عیاں ہے کہ دیوار میں لکڑی کا ایک چوکور ٹکڑا لگا کر اس سے میز
کا کام لیا گیا ہے۔ باپ صبح کا اخبار پڑھ رہا ہے۔ عینک اتار کر میز پر رکھتا ہے اور
بیوی سے مخاطب ہوتا ہے۔

باپ :- یہ ناشتہ بن رہا ہے یا بیاہ شادیوں والا حاضر تیار ہو رہا ہے؟ بوڑھے
ہو گئے ہم تو انتظار کرتے کرتے۔

ماں :- یوں کیسے مزید بوڑھے ہو گئے۔

باپ :- از دو اجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے کارآمد شے جھوٹ "نای بھی ہوتی
ہے، کبھی کبھار اس کا استعمال بھی کر لیا کرو بیگم۔

ماں :- اسی لیے تو میں نے بوڑھے کھوسٹ نہیں کہا۔

باپ :- (خوشندی سے منہ بنا کر) ایک خوشگوار صبح کا ستیاناس کرنا کوئی تم سے

دیکھیے۔

ماں :- آپ چپکے سے اپنا اخبار پڑھیے ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ غلام مصطفیٰ صاحب۔
 باپ :- دو مرتبہ پورا اخبار پڑھ چکا ہوں بلکہ تلاش گمشدہ کے اشتہاروں پر
 بھی نظر ڈال چکا ہوں اور کچھ؟

ماں :- ضرورت رشتہ کے اشتہاروں کو بھی ملاحظہ کر لیجیے۔

باپ :- (ہنستے ہوئے) کاش تم نے یہ مشورہ آج سے پچیس برس پیشتر دیا ہوتا۔
 بھئی یہ ناشتہ کب تیار ہوگا... تم سے تو نرگس بیٹی کی غلامی ہی اچھی تھی۔

یوں پل بھر میں میرے لیے ناشتہ تیار کرتی تھی کہ...

ماں :- تو بٹھائے رکھتے اسے گھر میں ساری عمر۔ صرف اپنے ناشتے کی خاطر۔
 باپ :- اللہ میاں اگر یوں چھپر بھاڑ کر اس کے لیے اتنا اچھا رشتہ نہ بھیج دیتا
 تو کون کافر اس کی شادی کرتا۔

ماں :- (پچھے سے چھت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اور کسی روز اوپر والے
 حصے کی چھت میری بہن بھاڑ کر پوچھے گی کہ جناب میں اپنی بیٹی کتنے
 برس اور بٹھائے رکھوں۔ سنبھالیے اپنی امانت کو۔

باپ :- اس تاخیر کے لیے بھی تم مجھے تصور وار ٹھہراتی ہو؟ اپنے شہزادے سے
 کیوں نہیں کہتیں کہ فی الحال جس قسم کی ملازمت ملتی ہے قبول کر لے اور
 ماں :- اس کے شایانِ شان کوئی ملازمت ملے تو کرے۔ تم تو چاہتے ہو چیرپا
 بھرتی ہو جائے کلر کی کر لے۔ مگر تو کوری فوری طور پر کر لے۔

باپ :- فوری طور پر؟ غضب خدا کا۔ دو سال ہوئے اسے ایم اے کیے ہوئے۔

اور پھر کلر کی کرنے میں کیا ترح ہے۔ آخر میں بھی تو کلرک...

ماں :- وہ آپ کی طرح دو چار جماعتیں نہیں پڑھا ہوا۔ خیر مجھے اس کے لیے

ناشتہ تیار کرنے دیجیے۔ اس نے انٹرویو کے لیے جانا ہے۔

باپ :- آج پھر جا رہا ہے۔ ماشا اللہ۔ ماشا اللہ۔ انٹرویو دینا تو صاحبزادے کا مشغلہ ہے اور ان میں فیل ہونا بھی۔ مقابلے کے تین امتحانوں میں بیٹھا۔ تحریری ٹیسٹ میں ہمیشہ اول حیثیت مگر انٹرویو میں ایسے اے لٹے سیدھے جواب دیتا ہے کہ ہمیشہ فیل ہو جاتا ہے۔ آج بھی حسب معمول منہ لٹکائے گھرا جائے گا۔

عائشہ داخل ہوتی ہے۔ قبول صورت، لباس پر سلوٹیں جیسے ابھی ابھی بستر سے اٹھ کر آئی ہے۔ صابر کی منگیتر ہاتھ میں چائے کی ایک پیالی ہے۔ سیدھی ماں کے پاس جاتی ہے۔

عائشہ :- آداب خالہ جان۔

ماں :- (سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) آؤ بیٹی۔ شریا بہن کا کیا حال ہے؟

عائشہ :- بس چھینکیں نہیں آرہیں۔ بخار بھی ہے اور زکام بھی اسی شدت کا ہے ابھی ابھی جو شاندرہ پلا کر آئی ہوں۔ خالہ جان... (دبھکتے ہوئے) چینی کی ایک پیالی چاہیے۔

ماں :- (مسنوئی غبتے سے) مجھ سے کیوں پوچھتی ہو، تمہارا اپنا گھر ہے۔

عائشہ :- (سوچ میں گم) اپنا گھر۔

ماں :- (سمجھتے ہوئے) ہاں بیٹی اب تو چند دنوں کی بات ہے۔ جس روز صابر کو

ملازمت ملی۔ اسی روز شریا بہن سے شادی کی تاریخ طے کر لوں گی۔

اس دوران عائشہ شیلف میں رکھے ٹینوں میں سے ایک کا ڈھکنا اٹھاتی ہے۔

عائشہ :- ہائے خالہ۔ اس میں تو نہیں ہے۔ وال ہے۔

ماں :- برابر والے چھوٹے ٹین میں ہے۔ اب اتنی چینی کہاں ملتی ہے کہ بڑا ٹین

بھر سکے۔

عائشہ :- خالہ جان، چار پیالیاں ہو گئیں۔

ماں :- پھر وہی بات۔ اور اتنی جلدی بھی کیا ہے، چائے کے دو گھونٹ تو بھرتی جاؤ

بلکہ خود بنا لو (چولہے سے پیچھے ہٹ کر) اب تمہیں اس چولہے کے آگے کھڑے

ہونے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

عائشہ سر جھکا کر مسکراتی ہے، چینی کی پیالی تپانی پر رکھ کر چائے بنانے لگتی ہے۔ اسی لمحے صابر اندر داخل ہوتا ہے۔ سوٹ میں ملبوس عائشہ کو چائے بناتے دیکھ کر ٹھٹھک

جاتا ہے۔ پھر کونے میں کھڑی ماں پر نظر پڑتی ہے جو مسکرا رہی ہے۔

صابر :- امی جلدی سے ناشتہ دے دو۔

ماں :- عائشہ سے کہو آج اس کی ڈیوٹی ہے۔

صابر :- (ناگواری سے) مجھے صرف ناشتہ چاہیے، ڈیوٹی کسی کی بھی ہو۔

عائشہ بچھے دل سے ناشتہ آگے رکھتی ہے۔ ایک پیالی چائے باپ کے آگے بھی رکھتی

ہے اور پھر چولہے کے قریب جا کر کھڑی ہو جاتی ہے، پشت صابر کی طرف ہے۔

صابر :- (دچائے کا گھونٹ بھر کر) چینی کم ہے۔

عائشہ چمچے میں چینی لے کر آگے آتی ہے۔ پیالی میں ڈال کر چمچ ہلاتی ہے۔ اس دوران

صابر اس کی طرف دیکھتا ہے۔

باپ :- (صابر کی طرف دیکھ کر) ٹائی مناسب نہیں ہے۔

صابر :- (دچونک کر) جی۔

عائشہ واپس چولہے کے قریب چلی جاتی ہے۔

باپ :- میں کہہ رہا تھا کوئی بہتر قسم کی ٹائی لگا لیتے، سوٹ نہیں کرتی۔

صابر :- (دٹائی پکڑ کر ہنستے ہوئے) انٹرویو ٹائی کا ہونا ہے یا میرا۔

باپ :- ان دنوں تو انٹرویو ٹائمیوں - سوٹوں اور چوتوں کا ہی ہوتا ہے .

صابر ناشتہ ختم کر کے اٹھتا ہے اور باہر جانے لگتا ہے .

باپ :- تم کہتے ہو میں اب بھی خان صاحب کے گھر جا کر ان سے ٹیلی فون کر داسکتا ہوں .

صابر ایک لمحے کے لیے دروازے کے پاس رکتا ہے اور پھر جواب دے بغیر نکل جاتا ہے .

باپ کندھے سکیڑ کر اخبار پڑھنے لگ جاتا ہے .

سین نمبر ۳

ایک ایسا کمرہ جو چوڑائی میں بے حد مختصر ہے . مگر طوالت میں عام کمروں سے

زیادہ ہے . ایک سرے پر دو کرسیاں جن پر انٹرویو لینے کے لیے دو شخص اکٹھے بیٹھے

ہیں کمرے میں اور کوئی فرنیچر نہیں ہے . مخالف سرے پر صرف ایک کرسی ہے . صابر

اندر داخل ہوتا ہے .

صابر :- السلام علیکم .

دونوں شخص جو اباسر ہلاتے ہیں . خاموش ہیں . صابر ایک لمحے کے لیے انتظار کرتا

ہے . اور پھر خود ہی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے .

شخص ۱ :- تشریف رکھیے (واضح طنز سے)

صابر :- (پرسکون) شکریہ .

شخص ۱ گھٹنوں پر رکھی فائل دیکھتا ہے . صابر کی درخواست اور تعلیمی ڈگریاں بظاہر

شخص ۱ سے مخاطب ہے . مگر اصل میں صابر کو ستانا چاہتا ہے .

شخص ۱ :- (ایک ایک کاغذ الٹ کر) فرسٹ ڈویژن - پھر فرسٹ ڈویژن - ان

دونوں فرسٹ ڈویژن حاصل کرنا بھی کتنا آسان ہو گیا ہے .

شخص ۱ :- ہمارے زمانے میں تو ساہا سال کے بعد کسی خوش قسمت کی ہی فرسٹ

ڈویژن آتی تھی .

شخص ۱ :- بانکل میر صاحب، اور آج کل بوہتھکنڈے استعمال ہوتے ہیں، تو بہرہ ہر دوسرا طالب علم فرسٹ ڈویژن بے پیرتا ہے۔

صابر :- (ناگواری سے) مجھے دوسروں کے بارے میں علم نہیں مگر میں نے ان فرسٹ ڈویژنوں کیلئے دن رات ایک کیا ہے اور ان میں خوش قسمتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔

دونوں شخص ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، شخص ۱ پھر کاغذ اٹاتا ہے۔

شخص ۲ :- تقریری مقابلوں میں چھ اول انعام، ویری امپرسیو، (صابر کی طرف، دیکھو، مگر بوجہ ایسا کہ آج کل ہر کوئی انعام حاصل کر لیتا ہے، پھر کاغذ دیکھتا ہے، ہاکی کا کھلاڑی۔

شخص ۳ :- (بات کاٹ کر) اجی ہمارے زمانے میں تو آل انڈیا ہاکی (صابر کی طرف دیکھتا ہے اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہے، اور کچھ مویج کر خاموش ہو جاتا ہے)۔

شخص ۴ :- (بدستور قائل میں کاغذ میں مشغول) کالج کے رسالے کا ایڈیٹر بھی۔ بہت خوب، تو گویا ادب سے بھی لگاؤ ہے۔

صابر :- جی۔

شخص ۵ :- آپ کے پسندیدہ ادیب کون سے ہیں؟

صابر :- وارث شاہ۔

شخص ۶ :- وارث ؟! (حیرت سے)

صابر :- میاں محمد۔

شخص ۷ :- میاں — میاں کون؟

صابر :- (زور دے کر) محمد :- بھٹائی اور خوشحال خاں حٹک۔

شخص ۱ :- (بڑے ٹھٹھے سے) میں صرف یورپی ادیبوں کی بات کر رہا تھا، اگر کسی کو پڑھ رکھا ہے تو بتائیے۔

صابر :- (تھمتل سے) مجھے جیمز جوائس اور فریڈرک نیولار کا پسند ہیں۔
 دونوں شخص ایک دوسرے کو اس لرح دیکھتے ہیں جیسے صابر نے ادیبوں کی بجائے پرندوں کی قسمیں گنوائی شروع کر دی ہیں۔ وہ ان ناموں سے پہلی دفعہ آشنا ہوئے ہیں۔
 اس خاموشی میں صابر سگریٹ سلکاتا ہے۔

شخص ۱ :- (درشتگی سے) یہاں سگریٹ پینا غلط ہے، آداب ہے۔
 صابر :- (سبیدگی سے) لیکن آپ بھی تو سگریٹ پی رہے ہیں۔
 شخص ۱ :- بھلا کر سگریٹ پاؤں تلے دیتا ہے۔ صابر بھی سگریٹ بچھا دیتا ہے۔
 شخص ۲ :- تو ہم کیا گفتگو کر رہے تھے؟

صابر :- ادیبوں کا ذکر ہو رہا تھا۔
 شخص ۱ :- آپ نے شیکسپیر تو نہیں پڑھا؟
 صابر :- دسویں جماعت میں پڑھا تھا۔
 شخص ۱ :- (کھانس کر) آپ نے اس کا وہ ڈرامہ پڑھا ہے۔ کیا نام۔ (مٹ سے)
 مناطب ہو کر) بھئی وہ کون سا ڈرامہ تھا جس کی فلم پچھلے دنوں ٹی وی پر دیکھی تھی۔

شخص ۲ :- (دہن پر زور دے کر) ہیلٹ

صابر :- آپ شاید ہیلٹ کی بات کر رہے ہیں۔

شخص ۱ :- دروازے کی طرف دیکھ کر اس طرح اشارہ کرتا ہے جیسے وہ اگلے امیدوار کو اندر آنے کا کہہ رہا ہو۔

شخص ۲ :- (کھیانے ہو کر) ہمیشہ گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ ہیلٹ یا ہیلٹ۔ حالانکہ

مجھے معلوم ہے کہ ہیلمٹ تو سکوٹر سوار پہنتے ہیں۔
 شخص سر ہلا کرتا یہ کرتا ہے، مسکراتا ہے۔ اس دوران ایک نہایت خوش پوش
 نوجوان صابر کے پیچھے آکھڑا ہوتا ہے۔ مگر تاک جھکا ہوا فرمائشی مسکراہٹ لبوں پر
 سجائے۔

نوجوان :- گڈ مارنگ سر۔ تھینک یو فار دی کال تھینک یو۔
 شخص :- بیٹھے۔

نوجوان اسی طرح ہاتھ ملتا ہے۔ مسکراتا ہے، کرسی کی جانب دیکھتا ہے، جہاں صابر
 ابھی تک بیٹھا ہے۔ دونوں اشخاص کی جانب دیکھتا ہے کہ اب کیا کروں۔ مگر اتنی دیر
 میں صابر اٹھتا ہے اور کمرے سے باہر نکل جاتا ہے۔ نوجوان دانت نکالتا ہے۔

نوجوان :- سر؟

سین نمبر ۴

ایک دیران سڑک۔ کیمپس کے قریب اگر نہر کے کنارے فٹ پاتھ ہو تو بہتر
 ہوگا۔ لیکن دیرانی کا تاثر ایک لازمی حصہ ہے۔ صابر پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے
 ہوئے آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔ مایوسی کی بجائے سوچ کا عمل جاری ہے۔ نہر میں سورج
 کا عکس۔ صابر اس کی جانب چندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ عکس اور صابر
 کے چہرے کے کلوزرز۔ سگریٹ سلگا کر پھر چلنے لگتا ہے۔ چال میں خود اعتمادی ایک
 لانگ سٹاٹ۔ پھر صابر کے چہرے کا کلوزر فلیش بیک میں صابر کے کلوزر میں سے چہ
 سالہ بچے کا کلوزر ابھرتا ہے۔ پہلے منظر والا کلوزر۔

تیلیاں پکڑنے کا جال تنا ہوا ہے۔ کلوزر۔

بچے کا کلوزر۔ مگر چہرے کے آگے جال تنا ہوا۔

شارٹ کپوزیشن بالکل وہی جس میں صابر فٹ پاتھ پر چل رہا ہے۔ مگر

اب اس زاویے پر ایک بچہ چل رہا ہے۔ بچے کی حرکات سے ظاہر ہے کہ اس کا باپ ہمراہ ہے۔ آپس میں باتیں کر رہے ہیں، بچہ ہر شے کو چھوتا ہے، پکڑتا ہے، چیزوں کو جلانے کا قدرتی تجسس، کبھی پتے اٹھا کر دیکھتا ہے، سفیدے کے بلند درختوں کو نگہ حیرت سے دیکھتا ہے، درختوں میں سے سورج چمک رہا ہے۔ بچے کے ہونٹ نہیں ہل رہے مگر گفتگو بیک گراؤنڈ میں جاری ہے۔

بچہ :- ابو یہ دیکھیے۔ یہ پتہ کیسا ہے؟ بالکل میری ہتھیلی جیسا۔ ابو پتے پر بنی لکیریں

اس کی قسمت کا حال بتاتی ہیں۔

باپ :- نہیں بیٹے... یہ صرف یہ بتاتی ہیں کہ پتہ سوکھا گیا ہے۔

بچہ :- ابو کیا میری ہتھیلی کی لکیریں قسمت کا حال بتاتی ہیں۔

باپ :- قسمت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، صابر بیٹے انسان خود اپنی قسمت بناتا ہے۔

بچہ :- وہ کیسے ابو؟

باپ :- محنت اور ارادے سے۔

بچہ :- اگر میں محنت کروں اور میرے پاس خوب بڑا سا راجہ بارے جتنا ارادہ

ہو تو میں اپنی قسمت خود بنا سکتا ہوں۔

باپ :- ہاں بیٹے۔

بچہ :- پھر میں جو چاہوں، کر سکتا ہوں؟

باپ :- تم جو بھی چاہو۔

یہاں پھر وہی شاٹ۔ سورج کا عکس نہر میں چمک رہا ہے۔

بچہ :- (عکس کی طرف اشارہ) میں سورج کو بھی پکڑ سکتا ہوں۔

باپ :- (کچھ دیر سوچ کر) ہاں بیٹے اگر تم محنت کرو اور ارادہ کر لو تو تم سورج

کو بھی حاصل کر سکتے ہو۔

فلش مل مل سکریں پر آتے ہیں۔ پھر بلیک سپیس اس سپیس میں تلیار پکڑنے کا جال نمودار ہوتا ہے۔ ہینڈل پر بچے کا ہاتھ مگر اس مرتبہ سٹل نہیں بند حرکت کرتا ہوا۔ جیسے کوئی شے پکڑنے کی جستجو ہو۔ اس شاٹ پر کار کے ہارن کی آواز اور ہیب ہوتی ہے۔ فلش بیک ختم۔ صابر حسب معمول چل رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سٹارک پر ایک کار چل رہی ہے۔ ہارن بج رہا ہے۔ صابر چونک کر متوجہ ہوتا ہے۔ کمال اس کا دوست کھڑکی میں سے سر نکالتا ہے۔

کمال :- یہ اپنے من میں ڈوب کر سراغ زندگی پانے کا عمل تھا۔

صابر اس کی آمد سے خوش ہے۔ ہنستا ہے۔

کمال :- والد انہماک اسی کو کہتے ہیں اگر جان پہچان نہ ہوتی تو تمہیں صاحب

کشف جان کر پاؤں پکڑ لیتا۔

صابر اس کی گفتگو سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور مسکراتا ہے۔

کمال :- جب کبھی تمہارے گھر جاتا ہوں۔ "صابر" کی آواز پر ہمیشہ جواب آتا ہے۔

"انٹرویو دینے گئے ہوئے ہیں" شاید یہ فقرہ ٹیپ کر دیا رکھا ہے تمہاری عائشہ

بی بی نے۔ آج بھی یہی جواب ملا۔ میں نے سوچا ملاقات کو ایک عرصہ ہو چکا آج

سراغ لگا کر ہی رہوں گا۔ پچھلے دو گھنٹوں سے اپنا قیمتی پٹرول نذر آتش کر

رہا ہوں صابر ڈیر۔

(کار کا دروازہ کھولتے ہوئے)

کمال :- چلو کسی کافی بار میں بیٹھ کر ایک دوسرے کی خیریت نیک مطلب چاہیں۔

بیٹھیو۔

صابر کار میں بیٹھتا ہے۔ کار سٹارٹ ہو کر چلی جاتی ہے، کیمرہ نہر میں جھکے ہوئے سورج

کے عکس پر۔

سین نمبر ۵

کافی بار۔ پُرسکون اور مختصر سی جگہ۔ جدید آرائش۔ لمبے کاؤنٹر کے پیچھے مالک کھڑا ہے۔ صرف ایک ویٹر کونے والی نسبتاً تازہ یک میز پر ایک لڑکا اور لڑکی جو طالب علم ہیں ان کے علاوہ صرف ایک شخص کاؤنٹر کے ایک سٹول پر بیٹھا کافی پی رہا ہے صابر اور کمال اندر داخل ہوتے ہیں۔ کمال کاؤنٹر کی طرف جانے لگتا ہے۔

صابر :- (کمال کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) نہیں اُدھر نہیں کمال۔ سٹول پر بیٹھ کر میرے پاؤں زمین پر نہیں لگتے۔

کمال :- (ہنس کر) عام حالات میں تمہارے پاؤں زمین پر کب لگتے ہیں۔ ہمیں تو خلاؤں میں ہی معلق نظر آتے ہو۔ وہاں اس کونے میں بیٹھ جائیں۔ صابر اور کمال ایک کونے میں بیٹھ جاتے ہیں۔

صابر :- (سنجیدگی سے) تمہارا بھی یہی خیال ہے کہ میرے پاؤں زمین پر نہیں لگتے دھرتی سے میرے رشتے ناطے ٹوٹ چکے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کمال۔ میں تو زمین پر۔ اسی زمین پر رہنا چاہتا ہوں۔ لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس زمین کو میرے قدموں تلے سے کھینچ لیتے ہیں۔ مجھے جان بوجھ کر خلاؤں میں معلق کر دیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر میرے پاؤں زمین پر ٹپک گئے تو وہ خود ختم ہو جائیں گے۔

ویٹر آتا ہے۔ ہاتھ میں مینو ہے۔

ویٹر :- (جھک کر مینو کمال کے آگے رکھتا ہے) سر؟

کمال :- مینو پر نظر ڈالے بغیر بے دھیانی میں، دو ڈبل لے آؤ۔ سوڈے کے ساتھ۔

ویٹر :- (حیرت سے) جی صاحب؟

کمال :- (چونک کر) میرا مطلب ہے دو کافی لے آؤ۔ سینڈویچز کے ساتھ (صابر

کی طرف دیکھ کر، SLIP OF THE TONGUE بس عادت ہو گئی ہے۔

صابر :- (مسکراتے ہوئے) کب سے ؟

کمال :- جب سے ملازم ہوا ہوں، اس کے بغیر پبلک ریلیٹنگ مکمل نہیں ہوتی۔

صابر :- ملازمت کر رہے ہو یا پبلک ریلیٹنگ ۔

کمال :- دونوں لازم و ملزوم ہیں (مصنوعی غصے سے) میرا انٹرویو لے رہے ہو کیا ؟

صابر :- میرا مشغلہ انٹرویو دینا ہے لینا نہیں۔

کمال :- لا حول و لا ۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا۔ بھی تمہارے انٹرویو کا کیا ہوا۔

صابر :- (مسکرا کر) ہم وضع دار لوگ ہیں۔ اگر دوسرے اپنی نحو نہیں چھوڑتے تو ہم اپنی

وضع کیوں بدلیں۔

کمال :- مطلب ؟

صابر :- مطلب یہ کہ آج بھی وہی کچھ ہوا ہے جو پچھلے درجن بھر انٹرویوز میں ہوا تھا۔

ڈیڑھ گھنٹہ اور سینڈ وچز لاکر میز پر رکھتا ہے۔ کمال اپنے دوست کی ناکامی پر شہید ہے۔

کمال :- دیے ہوں گے نالٹ پلٹ جواب۔ انٹرویوز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال

کرا لے دیکھا ہوگا۔ جیسے وہ تمہارا نہیں تم ان کا انٹرویو لے رہے ہو۔ صابر

آخر یہ سب کچھ کب تک چلے گا؟ تمہیں بالآخر اپنی وضع بدلی ہی ہوگی۔

صابر :- قدرے دشتنگی سے، الٹ پلٹ نہیں، درست جواب، دیے تھے، اور درست

جواب وہ سننا نہیں چاہتے۔

کمال :- تمہیں کس حکیم نے کہا ہے کہ اس قسم کے درست جواب دیا کرو۔ صابر کامیابی

کے لیے تمہیں انٹرویوز میں وہی جواب دینا ہوں گے جو لوگ سننا پسند کرتے

ہیں۔ تمہیں اسی طور BEHAVE کرنا ہوگا۔ جیسے وہ چاہتے ہیں تمہیں اپنی

عادات و اطوار کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ جو وہ تم سے EXPECT کرتے ہیں تمہیں

خود اعتمادی کے بلند زینے سے اتر کر اس زمین پر پاؤں رکھنا ہی ہوگا۔
 صابر ۱۔ (غصے سے) لیکن کیوں کمال؟ کتنے لوگ ہیں جن کے پاس مجھ سے بہتر
 CREDENTIALS ہیں۔ آج تک جتنے انٹرویوز کے لیے گیا ہوں میری
 تعلیمی قابلیت ان کے معیار سے ہمیشہ کہیں بہتر ہوتی ہے۔ مجھے آج تک
 کسی نے لا جواب نہیں کیا۔ میں اپنا حق مانگتا ہوں۔ کسی سفارش کے بغیر—
 چاہلوسی کا نقاب ادرھے بغیر۔ جس ملازمت کو میں DESERVE کرتا ہوں۔
 اس کے حصول کے لیے میں چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ کیوں سجاؤں؟ بھیک
 کیوں مانگوں۔ ان پستیوں میں تو وہ اترے جس کے CREDENTIALS
 SOUND نہ ہوں۔

کمال ۱۔ (قدرے جھینپ کر) بھئی اب اتنا پرسنل ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔
 مانتے ہیں کہ ایم اے ہم نے آخری ڈویژن میں بمشکل پاس کیا۔ ہاکی سٹک کا
 الٹا سیدھا جانے ہماری بلا۔ کالج کے پرچے کے لیے کوئی لطیفہ روانہ کرتے
 تھے تو جناب انگریزی کی سچاس غلطیاں نکال کر ہمیں واپس کر دیا کرتے تھے
 لیکن —

صابر ۱۔ (مخروط ہو کر) لیکن کیا؟

کمال ۱۔ لیکن مجھے ملازمت کرتے دو برس ہونے کو آئے اور تم ابھی تک اپنے
 آٹوری ٹاور پر براجمان ہو۔ مجھے پہلے انٹرویوز میں ہی جس قسم کی نوکری آفر
 ہوئی میں نے قبول کر لی۔ اور اب دیکھو اپنی محنت سے۔

صابر ۲۔ پوائنٹ آف آرڈر۔ پیپک ریلیٹنگ سے۔

کمال ۱۔ چلو پیپک ریلیٹنگ سے ہی سہی۔ بہر حال اوپر تلے تین پروموشنز لے
 چکا ہوں۔ کمپنی نے کارڈس رکھی ہے۔ گھر کے لیے قرضہ منظور ہو چکا ہے۔

صابر :- (بے صبری سے) یہ سب کچھ مجھ سے نہ ہوگا۔

کمال :- نہیں ہو سکتا تو آرام سے گھر میں بیٹھو۔ اور گرتے رہے بوڑھے باپ

کی قلیل پنشن کو۔ اور عائشہ بی بی سے معذرت کر لو کہ —

صابر :- اب تم پرسنل ہو رہے ہو۔

کمال :- دوستوں کو پرسنل ہونے کا حق ہوتا ہے۔

صابر :- لیکن کمال میں بے بس ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی اور میرے راستے

بدلے۔ میں چاہوں گی اس دوڑ میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اس موجودہ

تہذیب میں۔ تہذیب کے اس جنگل میں میں اپنے آپ کو گم نہیں کرنا چاہتا۔

میں اپنی انفرادیت برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔

کمال :- اپنی بے جا انفرادیت کو برقرار رکھنے کی خاطر بھی تمہیں اس جنگل کے

قوانین کے مطابق جدوجہد کرنی ہوگی۔

صابر :- قانون دوسرے لوگ بنائیں اور جدوجہد میں کروں۔ میں اپنے قانون

خود بنانا چاہتا ہوں۔

کمال :- بناتے رہو اپنے قانون۔ یہاں تک کہ تم کوڑھ کے ایک مریض کی طرح

معاشرے سے کٹ کر رہ جاؤ۔ تمہاری انفرادیت اور خود اعتمادی اپنی جگہ۔

مگر صابر ڈیر یہاں تو SURVIVAL OF THE FITTEST

کامند ہے۔

صابر :- کیا میں FITTEST نہیں ہوں۔

کمال :- اپنی ذات کے تق و دوق صحرا میں شاید۔ مگر اس جنگل میں — فی الحال نہیں۔

ایک انتہائی خوش پوش نوجوان سگار منہ میں اڑنے سے ایک خوب رو و شیزہ کا ہاتھ پکڑے

کافی بار میں داخل ہوتا ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی صابر پر نظر پڑتی ہے۔

نوجوان :- آہ صابر۔

صابر اور کمال اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

نوجوان :- اور جناب کمال صاحب بھی۔

ہاتھ ملاتے ہیں۔

صابر :- بھئی کمال۔

کمال :- مجھ سے کچھ کہا؟

صابر :- ارے نہیں۔ بھئی کمال ہے۔ تم تو پیچانے ہی نہیں جاتے اظہر کیا وہ کالج

کے زمانے کا سوکھا سٹرائٹ کا اور کہاں یہ کہہ ڈبل قسم کی صحتیں بنا رکھی ہیں کس

چکی کا کھاتے ہو؟

اظہر :- دقہقہہ لگا کر اگھانا نہیں۔ سو نگمتا ہوں۔ کامیابی کی بھینی بھینی خوشبو۔

کمال :- (مسکرا کر) کہاں ملتی ہے ہم بھی دو چار لمبے لمبے سانس لے کر اپنے پھیپھڑے

بھریں۔

اظہر :- اپنے والد صاحب کی نئی فیکٹری میں... کسی روز آجانا... بلکہ آج کل

میں ہی آجانا دکنڈھے پر دھپ لگا کر کیونکہ جس حساب سے تم آج کل

مے نوشی کر رہے ہو۔ اگلے دو چار برسوں میں تمہارے پھیپھڑے اس قابل

ہی نہیں رہیں گے کہ ان میں کچھ بھرا جاسکے۔ دقہقہہ لگانا ہے اور صابر سے

مخاطب ہوتا ہے، ایم اے کے رزلٹ کے بعد (منہ بنا کر) اور WHAT

A RESULT? آج ملاقات ہو رہی ہے۔ کہاں رہتے ہو۔

صابر :- یہیں آس پاس!

اظہر :- آس پاس! اگر آس پاس رہتے تو کمال کی طرح تم سے بھی ملاقات

ہوتی رہتی مگر...

صایر :- تم دونوں کا آس پاس اور میرا آس پاس قدرے مختلف سطحوں پر واقع ہیں....
 کمال :- بے شک۔ بے شک! آپ فضا بسیط ہیں پر دانہ کرنے والے اور ہم غریب
 غریب (ٹنائی سے کیسے ہوئے، زمین پر ریٹنگے والے (ہنس کر) فلسفے کی
 ماروے رہے ہو پیارے۔ ہم ان فلسفوں سے مرنے والے نہیں۔
 صایر :- یہ میں جانتا ہوں۔

کمال :- (جہانئی لے کر) اظہر فی البصائر اس آس (کافی بار کے دروازے میں کھڑی اظہر
 کی دوست لڑکی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) کو تو اپنے پاس بلا لو۔
 اظہر :- (اونہوں دسرہلاتا ہے) اتنا کچا بھی نہیں ہوں۔ کاج میں تو ہاتھ کر جاتے تھے نا۔
 اللہ اللہ کیا شہرتیں تھیں جناب کی، لڑکیاں کہا کرتی تھیں کہ ہائے کمال اتنا
 چارمنگ ہے کہ درختوں پر بیٹھے پرندوں کو ایک نظر دیکھ لے تو وہ نیچے آکر اس
 کے قدموں تلے لوٹنے لگتے ہیں... ناں بابا... اور پھر (سرگوشی کے بچے ہیں،
 اس آس کے ساتھ میں قدرے SERIOUS بھی ہوں۔ ممکن ہے تمہاری
 بھابی ہی بن جائے۔

کمال :- تمہارے پچھلے ریکارڈ کی بنا پر یہ ممکن ہمیشہ ناممکن رہے گا۔

تینوں ہنستے ہیں۔

اظہر :- (صابر سے مخاطب ہو کر) یار بڑی مسرت ہوئی آج تم سے مل کر بے لوث
 یاریاں تو طالب علمی کے زمانے کی ہی ہوتی ہیں، بعد میں تو صرف CAL-
 CULATED قسم کی دوستیاں رہ جاتی ہیں... بہر حال ملونا کسی وقت
 تفصیلی گفتگو کی جائے... فون نمبر دے دوں۔ (کوٹ کی جیب میں ہاتھ
 ڈالتا ہے۔ اور پھر کچھ سوچ کر باہر نکال لیتا ہے) خیر چھوڑو کسی وقت گھر
 آؤں گا۔ ابھی تک (دماغ طنز کے ساتھ) وہیں پر ہونا جہاں تم سے نوٹس

لینے آیا کرتا تھا۔

صابر :- وہیں پر ۔

تینوں ہاتھ ملتے ہیں۔ صابر اور کمال دو بارہ بیٹھ جاتے ہیں۔ اظہر اپنی دوست لڑکی کے پاس جا کر اس کا ہاتھ تھامتا ہے اور وہ کاؤنٹر کے سٹولوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔

صابر :- تمہیں یاد ہے کمال، ایک زمانہ تھا کہ اس چنڈ کو ہم ایک محفوظ فاصلے پر ہی رکھتے تھے۔ اور آج تم نے دیکھ لیا کہ وہ مجھے اپنا فون نمبر دینے سے بھی گریز کر رہا تھا۔

کمال :- کامیابی کی بھیجی بھیجی خوشبو سے بدست !

صابر :- باپ کی جاگیر پر بیٹھ جانے کو میں کامیابی نہیں گردانتا۔

کمال :- کامیابی کی قسمیں نہیں ہوا کرتیں صابر۔ کامیابی صرف کامیابی ہے۔ تم بھی ناممکن کے حصول کا خواب دیکھنا چھوڑ دو تو اس سے ہمکنار ہو سکتے ہو۔

صابر :- (جھٹاکر) کمال کون کہتا ہے کہ میں ناممکن کا حصول چاہتا ہوں۔ میں تو صرف اپنا جائز حصہ مانگتا ہوں۔ اپنی تعلیمی قابلیت کے مطابق۔ اپنی ٹیلنٹ کی بنیاد پر۔

کمال :- اس دنیا میں کتنے لوگ ہیں، جنہیں ان کی ٹیلنٹ کی بنیاد پر حصہ ملتا ہے۔ یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔

صابر :- میں یہی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ قسمت کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں —

کمال :- دتنگ آکر، تو ٹھیک ہے ثابت کرتے رہو۔

تھوڑی دیر کے بے دونوں خاموش رہتے ہیں۔

کمال :- صابر مجھے دوست تو مانتے ہونا! مشورہ خیر کیا دوں گا صرف تمہاری

بہتری کے لیے کہتا ہوں۔ اگر کامیابی کے تالاب میں تیرنا چاہتے ہو۔۔۔

صابر :- (نفرت سے) یہ تالاب نہیں گھر ہے۔ کھلا بدبودار گھر۔

کمال :- لیکن اس کے باوجود تم اس میں تیرنا چاہتے ہو؟!

صابر :- میں نہیں چاہتا۔ میری پشت پر ہاتھ ہیں، میری ماں۔ باپ اور منگیتر

کے ہاتھ جو مجھے اس میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔

کمال :- (سٹپنا کر) آخر تم چاہتے کیا ہو؟

صابر :- (کھوجاتا ہے) ہیں؟

————— فلیش بیک —————

۱۔ چوتھے منظر کے تمام تر فلیش بیک REPEAT۔

۲۔ تتلیاں پکڑنے کا جال اب زیادہ حرکت میں ہے۔ چوتھے منظر سے زیادہ۔ اس

میں بچے کے چہرے کی INTERCUTTING۔

سین نمبر ۶

صابر باہر سے آتا ہے۔ مشترکہ بیڈ روم میں داخل ہوتا ہے۔ سر جھکائے ہوئے۔

باپ چارپائی پر بیٹھا حقہ گڑگڑا رہا ہے۔ سر اٹھا کر صابر کی طرف دیکھتا ہے۔ اور

پھر حُتے کا ایک لمبا کش لگاتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ صابر آج پھرنا کام لوثا ہے۔ ماں

پیرھی پر بیٹھی چاول چن رہی ہے۔ صابر کو دیکھ کر چاول رکھ دیتی ہے۔ اس کی سوالیہ

نظریں صابر پر ہیں۔ صابر ماں سے نظریں ملانے بغیر لمحہ بھر کے نیے رکتا ہے۔ گردن

کھجاتا ہے۔ اور پھر دوسرے دروازے سے ڈرائینگ روم میں چلا جاتا ہے۔ ماں اور

باپ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ صابر ڈرائینگ روم میں داخل ہوتا ہے۔

ٹائی کی گرہ کھولتا ہوا۔ ڈرائینگ روم میں ایک پرانا صوفہ اور بید کی چند کرسیاں۔

کارنس پر عائشہ کی ایک تصویر۔ ایک گلدان۔ عائشہ اس میں تازہ پھول سجا رہی

ہے۔ صابر کوٹ اتارنے لگتا ہے۔ مگر عائشہ کو دیکھ کر رک جاتا ہے۔ کچھ دیر کے لیے اُسے خاموشی سے دیکھتا رہتا ہے۔ اور پھر چپکے سے صوفے پر بیٹھ جاتا ہے۔ عائشہ اپنی دُھن میں مگن ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔

صابر :- خالہ جان کیسی ہیں؟

عائشہ :- بخار اُتر گیا ہے۔ اب سو رہی ہیں۔

عائشہ کا خیال ہے کہ صابر اُسے انٹرویو کے نتیجے کے بارے میں آگاہ کرے گا مگر وہ خاموش رہتا ہے۔

عائشہ :- انٹرویو کیسا رہا؟

صابر بے دھیانی میں صرف کندھے سکیڑتا ہے۔ اور پھر اٹھ کر شیف پیس سے ایک کتاب نکال کر ریڈنگ ٹیبل پر بیٹھ جاتا ہے۔

عائشہ :- صابر!

صابر جواب نہیں دیتا۔ بظاہر کتاب میں مگن ہے۔ عائشہ قریب جا کر میز سے کتاب اٹھا لیتی ہے۔ صابر اسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہتا ہے۔

عائشہ :- تمہاری خاموشی سے مسائل تو حل نہ ہوں گے۔

صابر اس کی طرف دیکھتا ہے۔

عائشہ :- آخر کب تک صابر؟ کب تک تم مجھے اپنی خود اعتمادی کی صلیب پر

چڑھائے رکھو گے! تمہاری ہرنا کامی میرے جسم میں ایک میخ کی طرح گڑھ

جاتی ہے۔ مجھ میں پھلنی ہونے کی سکت نہیں۔ میں کب تک برداشت کروں

گی۔ صابر یا تو مجھے اس صلیب سے اتار کر اذیت سے چھٹکارا دلاؤ اور

یا پھر.....

صابر :- (غصے سے) اور یا پھر؟

عائشہ :- تم اجازت دو تو میں خود نوکری کر لیتی ہوں۔ چھوٹا موٹا ٹیپنگ جاب تو مل ہی جائے گا۔

صابر کے چہرے پر دکھ کے آثار ہیں۔ وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ جاتا ہے اور آہستہ آہستہ بولنے لگتا ہے۔

صابر :- (نرمی سے) اتنی جلدی حوصلہ چھوڑ گئیں عائشہ؟ ابھی تو مسافرتوں کا آغاز بھی نہیں ہوا۔ تمہارے پاؤں ابھی سے تھکنے لگے ہیں؟

عائشہ :- مدتوں ایک ہی جگہ بے حس و حرکت جامد کھڑے رہنے سے پاؤں تھک ہی جاتے ہیں۔ میں حرکت کرنا چاہتی ہوں۔ ہم نے اگر سفر کا آغاز نہ کیا تو ہمارے پاؤں تلے کی زمین دلدل میں بدل جائے گی صابر!

صابر :- میں خود اس خالہ زاد رشتے کو مزید طول نہیں دینا چاہتا۔ بس جو نہی مجھے کوئی ایسی ملازمت ملی جو میں DESERVE ...

عائشہ :- DESERVE ... DESERVE ... DESERVE ! میں

تنگ آچکی ہوں اس لفظ کی تکرار سے۔ کیا تمہارے بوڑھے والدین اس نیم وجودیت کو DESERVE کرتے ہیں۔ جو تمہارے کام پر نہ لگنے کی وجہ سے ان پر مسلط ہے؟ کیا میری ماں ایک معزز اور خوشحال زندگی بسر کرنے کے بعد یہ DESERVE کرتی ہے کہ وہ یکدم بیوہ ہو جائے اور بقیہ عمر اپنی غریب بہن کے ٹکڑوں پر پلے؟ ایک کوٹھڑی میں مقید رہے۔ کون کیا DESERVE کرتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے؟ اور پھر میں بھی تو ہوں۔ میرے بارے میں بھی کبھی سوچا ہے؟ کیا میں تمہیں DESERVE کرتی ہوں؟

صابر اس آخری نعرے سے STUN ہو جاتا ہے۔

صابر :- کیا مطلب ہے تمہارا؟

عائشہ :- معزز خاندان سے تھا۔ کاروبار بھی وسیع تھا۔ وہ لوگ امی کی منتیں بھی کرتے تھے۔ بس یہی تھا کہ کہ لڑکا زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ امی بھی تیار تھیں۔ مگر میں نے انکار کر دیا۔

صایر :- کیا تم اب اپنے فیصلے پر پچھتا رہی ہو!

عائشہ :- ابھی نہیں.....

صایر :- اس کا مطلب ہے تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟

عائشہ :- (دہنس کر) حیرت ہے، ادب سے لگاؤ کے باوجود تمہیں انہما کے لیے

اس عامیانا لفظ کے علاوہ کوئی اور مناسب لفظ نہیں ملا... میں رومانی

نادلوں کی ہیروئن نہیں ہوں کہ آہوں اور سسکیوں کا لحاف اوڑھ کر پوری

عمر بتادوں۔ کم از کم میں... کیا کہتے ہیں اس محبت۔ اس خلائی جذبے

سے کبھی آشنا نہیں ہوتی... ہاں وقت گزرنے سے... ایک دوسرے

کے قریب رہنے کی عادت ہو جاتی ہے ایک خاص چہرے کو دیکھنے کی۔ اسے

محبت کہہ لو۔ بس مجھے بھی بچپن سے تمہیں دیکھنے کی عادت سی ہو گئی ہے اور

میں اس تسلسل کو توڑنا نہیں چاہتی۔

صایر :- میں توڑنا چاہتا ہوں؟

عائشہ :- اگر تم کچھ دیر اور اپنے گرد تعمیر کردہ حصار سے باہر نہ نکلے تو پھر چاہنے نہ

چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

صایر :- لیکن عائشہ عزت نفس بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ تم چاہتی ہو کہ میں خواخوہ

لوگوں کے سامنے جھک جاؤں؟ خوشامد اور سفارش کی بیساکھیوں کے

سہارے کا میاں جی کے راستے پر چلوں؟ مجھ میں طاقت ہے، قوت ہے، میں

ان مسافروں کے لیے سہارے کا مبتلا شی نہیں ہوں۔

عائشہ :- سفر کے آغاز کے لیے اگر سہارا لے لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے ؟

صابر :- تو پھر تم چاہتی ہو کہ میں

عائشہ :- مجھے خود معلوم نہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں .

نرگس دروازے کی اوٹ میں کھڑی کھانستی ہے . جیسے اپنی آمد کی اطلاع دینا چاہتی ہو۔

کھانسنے کی آواز آخری مکاٹے پر ۵/۷ ہوتی ہے . عائشہ اور صابر جو قریب قریب

کھڑے تھے . پچھلے ہٹ کر مخالف کونوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں . نرگس کمرے میں داخل

ہوتی ہے .

نرگس :- السلام علیکم بھائی جان !

صابر مسکراتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور اپنی بہن کے سر پر پیار دیتا ہے .

صابر :- وعلیکم السلام .

نرگس آگے بڑھ کر خود عائشہ سے گلے ملتی ہے . اور پھر اسے دیکھتی ہے .

نرگس :- بس پچھلے ہٹ کر تحسین آمیز نظروں سے دیکھتی ہے چشم بدوور!

عائشہ بہن ہائے ہائے یہ بہن کا دم چھلا کب تک قائم رہے گا . ہم تو

ترس گئے عائشہ بھابی کہنے کو

عائشہ صابر کے ساتھ LOOKS EXCHANGE کرتی ہے .

نرگس :- اور بھائی جان ؟ وہی اگلے تلے ہیں یا

صابر :- یہ ٹرٹر بند کرو اور بتاؤ کہ تم یہ آنا فانا لاہور میں کیسے ٹپک پڑیں ؟

نرگس :- واہ بھائی جان شادی ہوئی نہیں اور ابھی سے اس گھر میں بہنوں کے

داخلے پر اعتراض ہو رہا ہے . (شہادت کی انگلی کھڑی کر کے) یاد رکھیے ہمیشہ

بہنیں ہی کام آتی ہیں . یہ مستقبل کی بیویاں وغیرہ تو

صابر :- (دہنستے ہوئے) تمہارے ہاتھوں میں پن سے تو تنگ آکر تمہاری شادی کی

تھی، ہمیں کیا پتہ تھا۔

نرگس :- اللہ بھائی جان! پورے دو گھنٹے جہاز میں منہ بند کیے بیٹھی رہی ہوں۔

ایر ہوٹس سے گپ لگانے کی کوشش کی تو وہ بھی آپ کی طرح سٹری ہوئی

نکلی....

صابر :- نہ میرا ساتھ نہیں آئے کیا؟

نرگس :- وہ ساتھ ہونے تو میں منہ بند کیے بیٹھی رہتی؟... ددروازے کی طرف

جا کر، امی، ابو آپ بھی ادھر ڈرائیونگ روم میں آجائیے، مجھ سے وہاں چارپائی

پر نہیں بیٹھا جاتا۔

پچھپھٹ کر صوفے پر براجمان ہو جاتی ہے اور عائشہ سے مخاطب ہوتی ہے۔

نرگس :- آج خالہ جان نیچے نہیں آئیں کیا؟

عائشہ :- بیمار ہیں قدرے....

نرگس :- اوہ...

عائشہ :- معمولی نرکام ہے۔

نرگس :- (دُکھتے ہوئے) میں انہیں سلام کراؤں...

عائشہ :- ابھی سو رہی ہیں۔

نرگس پھر بیٹھ جاتی ہے۔ اس دوران ماں اور باپ اندر داخل ہوتے ہیں۔ وہ بیٹی

کی آمد سے خوش ہیں۔ باپ اپنا حقہ بھی ساتھ لایا ہے۔

صابر :- کتنے روز قیام رہے گا؟

نرگس :- دہنس کر، جب تک آپ کی شادی کی تاریخ طے نہیں ہو جاتی....

اور آپ کون ہیں پوچھنے والے؟ اپنے ابو کے گھر آئی ہوں۔ جب تک

جی چاہے گا رہوں گی۔

ماں :- نرگس بیٹی زہیر ساتھ کیوں نہیں آیا؟

نرگس :- وہ یورپ گئے ہیں چند روز کے لیے۔ میں نے ساتھ چلنے کے لیے ضد کی تو کہنے لگے صبح شام کاروباری مصروفیات ہوں گی۔ بورد ہو جاؤ گی۔ رہنمائی کر، میں نے کہا ٹھیک ہے، ہمیں ہمارے یورپ بھیج دیجیئے۔ اپنی امی کے پاس۔
 باپ :- زہیر کو ملے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا۔ نرگس اسے کہو کہ یورپ کے چکروں میں لاہور کے ایک نکتے کا بھی اضافہ کرے۔

نرگس :- سخت مصروف ہوتے ہیں ابا جان... اور پھر۔ (ڈرائیونگ روم کو دیکھتی ہے۔ بید کی کرسیاں، کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے، ننگا فرش، وہ علیحدہ بیڈ روم کے بغیر ذرا UNCOMFORTABLE محسوس کرتے ہیں۔ اور یہاں جگہ کی تنگی کے باعث....

خاموش ہو جاتی ہے۔

تمام کردار ایک لمحے کے لیے خاموش ہو جاتے ہیں۔ باپ حقے کا کش لگاتا ہے۔

باپ :- ہاں۔ بڑے کاروبار میں مصروفیت تو ہوتی ہی ہے... خاص طور پر ریڈی میڈ ملبوسات کے کاروبار میں۔

نرگس :- وہ تو ہم نے فروخت کر دیا۔ ابو... اس میں تو اب بہت سے لوگ آگئے ہیں۔ منافع کی شرح بہت کم ہو گئی تھی۔ اب ہینڈی کرافٹس برآمد کرتے ہیں۔

ماں :- (حیرت سے) ہانڈی کیا؟

باپ :- ارے ہانڈی نہیں صابر کی امی۔ ہینڈی کرافٹس۔ یہ نہیں ہوتے گھگھو گھوڑے۔ ٹوٹے پرانے برتن، گگڑوں ایسے رنگ برنگے کپڑے، لوہے کے زیور اور ہانڈیاں۔ (رہنمائی کر،) ہاں تم ٹھیک کہتی ہو ہانڈی کرافٹس۔
 نرگس :- یورپ میں بے انتہا مانگ ہے ابو۔ ابھی پچھلے دنوں زہیر نے چار ہزار

سفید شٹل کاک نما برقعے برآمد کیے ہیں۔

ماں :- ہائیں ! تو اب یہ میمیں بھی پردہ کرنے لگی ہیں۔

نرگس :- نہیں امی۔ وہاں جب یہ میمیں سمندر کے کنارے نہانے کی غرض سے جاتی

ہیں نا۔ تو ان برقعوں کو اوڑھ کر اندر کپڑے بدلتی ہیں۔

ماں :- کھلے بندوں نہاتی ہیں۔ تو بہ تو بہ !

نرگس :- مزید ارباب یہ ہے کہ آڈر تو دس ہزار برقعوں کا تھا مگر پورے پاکستان

میں کل چار ہزار دستیاب ہوئے۔

ماں :- (سنجیدگی سے) مجھ سے کہتیں میں اپنا برقعہ بھی تمہیں بھیج دیتی۔ سفید

کریب کا ہے۔

سب لوگ ہنستے ہیں۔ ماں انہیں گھورتی ہے۔

نرگس :- اوہ ! (جیسے یکدم کچھ یاد آتا ہے) بھائی جان ! میں تو بھول ہی گئی تھی۔

آپ کے لیے ایک زبردست قسم کی ہینڈی کرافٹ لائی ہوں۔ ذرا ٹھہریے۔

بھاگ کر مشترکہ بیڈروم میں جاتی ہے۔ واپس آتی ہے تو ہاتھ میں ایک بندل ہے۔

کھولتی ہے۔ یہ پھلیاں پکڑنے کا ایک جال ہے۔ کناروں پر خوب صورت منکے لگے

ہیں۔ پھیلا کر صابر کے آگے تان دیتی ہے۔ کیمرا جال میں سے صابر پر کلوز ہوتا

ہے۔ صابر جال دیکھ کر مبہوت ہے۔

نرگس :- پسند آیا بھائی جان !

صابر خاموش رہتا ہے۔ نرگس جال کو اسی طرح تانے کارنس کی جانب بڑھتی ہے۔

نرگس :- کبھی کبھار زیمیر مجھے بھی ANTIQUES تلاش کرنے کے لیے بھیج دیتے

ہیں۔ چند روز پیشتر میں کراچی سے باہر پھیروں کی ایک بستی میں گئی۔ ماہی گیر

عورتوں کے پرانے چاندی کے زیور خریدنے کی خاطر۔ (جال کارنس پر ٹسکا

دیتی ہے، یہاں کیسا رہے گا۔ یہ جال ایک جھونپڑی کے دروازے پر لٹک رہا تھا۔ میں نے فوراً خرید لیا۔ یہاں ۸۵۵ لگتا ہے نا؟ اس میں آپ کی اور عائشہ کی تصویریں سجائیں گے۔ شادی کی تصویریں۔ (کارنس پر دھری عائشہ کی تصویر جال کے پیچھے ہے۔ کیمرا اس کا کلوز لیتا ہے) پسند آیا بھائی جان؟

کیمرا صابر پر جاتا ہے۔ اس کی نظریں جال پر جمی ہوئی ہیں۔ اور وہ مبہوت بیٹھا ہے۔

— فلیش بیک —

فلیش بیک ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ سکریں پر وقفوں کے بعد آتے ہیں۔ درمیان میں صابر کے کلوز کی انٹرکننگ ہیں۔ تمام STILLS ہیں۔

— فلیش بیک ختم —

صابر کی سٹل حرکت میں آتی ہے۔

صابر :- ہاں بے حد خوب صورت ہے۔

عائشہ جو اس دوران کونے میں خاموش کھڑی ہے۔ نرگس کی طرف آتی ہے۔

عائشہ :- نرگس اب میں چلتی ہوں۔ امی جاگ گئی ہوں گی، انہیں چائے بنا کر

دینی ہے۔ تم فارغ ہو کر آ جانا۔

جانے کے لیے دروازے کی طرف بڑھتی ہے۔

مال :- عائشہ بیٹی چائے کی پتی تو ہے نا؟

عائشہ :- دمڑے بغیر، جی خالد جان۔ آج تو گزارہ ہو جائے گا۔

صابر کی طرف دیکھ کر باہر جاتی ہے۔ نرگس صابر کے پاس آکر بیٹھ جاتی ہے۔

نرگس :- بھائی جان آپ کے انٹرویو کا کیا ہوا؟

بابا :- دلخنی سے، یوں کہو انٹرویوز کا کیا ہوا؟

صابر کندھے سکیڑ کر خاموش رہتا ہے۔

نرگس :- بھائی جان آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں؟ زہیر نے مجھے کئی بار کہا

ہے۔ میں نے سوچا آپ MIND نہ کر جائیں۔ وہ آپ کے لیے بے حد

CONCERNED ہیں۔ اتنا وسیع کاروبار اب اکیلے ان کے بس کا

روگ نہیں رہا۔ ہمیں ایجنٹوں کی سخت ضرورت ہے۔ اگر آپ

صابر :- (سختی سے) نہیں

پاپ :- (طنز یہ انداز میں) نہ نہ نرگس بیٹی ایسی باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔ میرا

پڑھا لکھا بیٹا خود بڑا آدمی بنے گا۔ کسی سہارے کے بغیر۔ سفارش کے بغیر۔

اپنی ڈگریوں کے بل بوتے پر

ماں :- گھر پڑے پڑے آپ کا تو دماغ چل گیا ہے۔ اس میں صابر کا کیا قصور

ہے۔

پاپ :- جی ہاں اس میں صابر کا کیا قصور ہے۔ قصور وار تو میں ہوں کہ میں نے

کوئی جادو بنا دیا کی بجائے اسے پڑھایا لکھایا اس سے بہتر تھا کہ میں

اسے بچپن سے ہی کسی کارخانے میں ملازم کروا دیتا۔ شیخ فضل محمد کا بیٹا

بچپن میں خراد کے کارخانے میں نوکر ہوا اور اب اچھا خاصا انجینئر بن کر

دوہٹی چلا گیا ہے۔ مورد الزام تو ہم ٹھہرائیں، تمہاری بہن کو جس نے اپنی

تمام پنشن ایک مشت وصول کر کے اپنی بیٹی کا ہیئر بنا لیا ہے۔ عائشہ کو

بھی دوش دہیجئے کہ وہ ایک نکھٹو کے لیے اپنی زندگی برباد کر رہی ہے۔ تو بہ!

تو بہ! بھلا صابر کا اس میں کیا قصور ہے۔ درجنوں مرتبہ ایسی نوکریوں

کے لیے گیا، جہاں باآسانی میں اس کی سفارش کروا کر اسے بھرتی کروا

سکتا تھا۔ کئی بار ڈرائیبلے درجے کی ملازمت کی آفر ہوئی تو جناب نے

حقارت سے ٹھکرادی کہ میں تو یہ DESERVE ہی نہیں کرتا۔ اس کے تمام پار دوست اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔ کامیاب کاروباری ہیں اور یہ ذات شریف ابھی تک ریٹائرڈ باپ کی پینشن پر چل رہے ہیں۔ صابر کے چہرے پر پینہ اور آنکھوں میں غصہ۔

ٹھیک ہے حفاظت کریں عزت نفس کی۔ سینت سینت کر رکھیں۔ خود اعتمادی اور قابلیت کو مگر کمائیں تو سہی۔ کاروبار شروع کرنے کا مشورہ دیتا ہوں تو ارشاد ہوتا ہے۔ ابا جان! بھلا ہزار دو ہزار میں آج کل کون سا کاروبار شروع کیا جاسکتا ہے۔ بھئی خواجہ نچہ لگا لو۔ کھوکھا بنا لو۔ ریڑھی پر پھل سجا لو۔ یہ لوگ بھی تو عزت نفس کے مالک ہوتے ہیں۔

صابر اٹھتا ہے اور کمرے سے باہر نکل جاتا ہے۔

ماں :- صابر بیٹے!

باپ حقے کاش لگاتا ہے۔ نرگس جاں کے قریب سر جھکائے کھڑی ہے۔

سین نمبرے

ایک تنگ بازار۔ بے شمار ریڑھیوں والے۔ خواجہ فروش۔ کچھ زمین پر بیٹھے ہوئے اشیاء فروخت کر رہے ہیں۔ سیکنڈ ہینڈ کپڑے بیچنے والے۔ سب شور مچا رہے ہیں۔ کیلے دودو آنے "دودو آنے۔ آفت لادنے بے دودو آنے" ملے۔ رستاں دے بھرنے، مالٹے رستاں نال بھرے!

"کپڑوں والا"۔ ویتی مال۔ تین تین روپے۔ تین تین... اس قسم کی بہت سی آوازیں ٹریفک کا شور بھی سنائی دے رہا ہے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی۔ پہلوان کیلے خرید رہے ہیں۔ برقعہ پوش عورتیں سیکنڈ ہینڈ کپڑوں کو الٹ پلٹ رہی ہیں۔ صابر اس بازار میں داخل ہوتا ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے ہر

ریڑھی ہر خوانچے والے کے پاس کھڑا ہوتا ہے۔ جیسے جائزہ لے رہا ہو۔
پھر ایک سگریٹ فروش بوڑھے کے قریب آکر کھڑا ہو جاتا ہے، جس نے
زمین پر خوانچہ لگا رکھا ہے۔ گاہک کو پان بنا کر دے رہا ہے۔ صابر اسے
غور سے دیکھتا ہے۔ گاہک چلا جاتا ہے۔

صابر :- باباجی! ایک سگریٹ تو دیجیئے۔

سگریٹ فروش :- بابو جی فلٹر والا پیو گے یا بغیر فلٹر والا ؟

صابر :- فلٹر کے بغیر....

سگریٹ فروش سگریٹ دیتا ہے۔

سگریٹ فروش :- بابو جی فلٹر کے ساتھ پیسا کرو پھیپھڑے خراب نہیں ہوتے۔

صابر :- جب تک تمباکو اور ہونٹوں کا بلا واسطہ ملاپ نہ ہو مجھے تو لطف ہی نہیں

آتا۔ یوں لگتا ہے، جیسے ریڑ کا سوٹ پہن کر غسل کر رہا ہوں۔

سگریٹ فروش :- (کچھ نہ سمجھتے ہوئے) میں نے تو اس لیے کہا تھا کہ فلٹر سگریٹ

کی کڑواہٹ کو کم کر دیتا ہے۔ دیوار کا کام دیتا ہے بابو جی !

صابر :- ایک بات تو بتائیں باباجی.... (جھجکتے ہوئے) روزانہ کتنا کما لیتے ہو؟

ایک گاہک آکر سگریٹ مانگتا ہے۔ سگریٹ فروش اسے سگریٹ دیتا ہے۔ پھر صابر
کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

سگریٹ فروش :- کیا پوچھ رہے تھے بابو جی ؟

صابر :- روزانہ کتنا کما لیتے ہو ؟

سگریٹ فروش :- دپان کا بیڑہ منہ میں ڈالتے ہوئے سوچ کر بس گزارا ہو

جاتا ہے اللہ کے فضل سے۔

صابر :- پھر بھی ؟

سگرٹ فروش :- پندرہ بیس روپے تو بچ ہی جاتے ہیں۔

صابر :- یہ کاروبار شروع کرنے پر کتنی رقم خرچ ہوئی تھی؟

سگرٹ فروش :- اجی صاحب کیسا کاروبار؟ یہ تو غریبی دعویٰ ہے۔ جتنا کمایا

دس بیس روپے نکال کر پھر مال لے آئے۔ پانچ سات سو میں گاڑی چل

نکلتی ہے... ہاں اگر مہنگے سگرٹ اور سمگلنگ کا مال رکھیں تو پھر زیادہ

رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔

صابر :- پھر تو مزے میں ہو بااجی۔ عزت کی روٹی کھاتے ہو۔

سگرٹ فروش :- صرف روٹی کھاتے ہیں بااجی! عزت و زت کی بات چھوڑیں

کارپوریشن کا ٹرک آنکے توجب تک جیب نہ گرم کریں تمام مال اور خزانچہ

ٹرک میں ڈال بیٹے ہیں۔ پولیس والے بھی تنگ کرتے ہیں۔ اس بازار کے

بڑے دکانداروں نے ایک مرتبہ سب خزانچہ فروشوں کو نکال باہر کیا تھا۔

رات کو۔ اور رات کو ہی اصل کاروبار ہوتا ہے۔ کئی مرتبہ بابولوگ آتے

ہیں... ذرا موڈ میں... پان سگرٹ لے کر پیسے دیے بغیر چلے جاتے ہیں۔

عزت کی تو مت پوچھو بااجی۔ بس گزارا جو کرنا ہوا۔

صابر :- سب خزانچہ فروشوں اور ریڑھی والوں کا یہی حشر ہوتا ہے؟

سگرٹ فروش :- جتنا بڑا خزانچہ ہوگا اتنی بڑی مصیبت۔ میرا تو چھوٹا سا خزانچہ

ہے۔ ٹرک آجائے تو اٹھا کر سامنے والی گلی میں گھس جاتا ہوں... لیکن

آپ کیوں پوچھتے ہیں۔ اخبار میں کام کرتے ہیں؟

صابر :- نہیں۔ میں تو کہیں بھی کام نہیں کرتا۔ ایک سگرٹ اور دسے دیجئے۔

سگرٹ فروش سگرٹ دیتا ہے۔

صابر :- یہ نہیں۔ فلٹر والا دیجئے۔

سگرٹ فردش حیران ہو کر سگرٹ بدل دیتا ہے۔

مونٹاز

وقت گزرنے کا تاثر دینا مقصود ہے۔ تقریباً آٹھ دس روز۔ صابر منظر کی طرح نہر کے کنارے چل رہا ہے۔ پانی میں سورج کا عکس۔ خزاں رسیدہ پتے، ویرانی۔ سوچ بچار کا عمل جاری ہے۔ سگرٹ پی رہا ہے۔ پچھلے تمام مناظر اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے ہیں۔ واٹر ہی بڑھی ہوئی ہے۔ اگر مناسب ہو تو پچھلے چند مکالمے مار کر وائے جا سکتے ہیں۔

سین نمبر ۸

منظر والی SITUATION اور سیٹ۔ یعنی مشترکہ بیڈ روم اور رات کا پچھلا پہر۔ فرق یہ ہے کہ اب نرگس بھی صابر کے برابر والی چار پائی پر محو خواب ہے۔ گلی کے پار کھمبار روشن ہے۔ صابر حسب معمول کروٹیں بدل رہا ہے۔ بار بار گھڑی دیکھتا ہے۔ کھبے کا بلب ٹل ہوتے ہی اٹھتا ہے۔ دبے پاؤں ڈرائینگ روم میں داخل ہوتا ہے۔ کارنس کے آگے تنا جال اتارتا ہے۔ اور ادھر ادھر چوروں کی طرح دیکھتا ہوا اسے بغل میں داب کر نکل جاتا ہے۔ صحن میں داخل ہوتا ہے۔ جال کھول کر بڑے پیار سے کپڑوں والی تار پٹکا دیتا ہے۔ ٹوٹی ہوئی آرام کرسی پر بیٹھ جاتا ہے، اور نظریں جال پر جما دیتا ہے۔

منظر والی موسیقی اور بیک گراؤنڈ از حد ضروری ہے۔ ہلکی روشنی پھیلتی ہے۔ سورج ابھرتا ہے۔ صابر جیسے ایک خاص لمحے کے انتظار میں ہو۔ سورج کی پہلی جھلک پر منظر کی طرح خوش نہیں ہوتا۔ انتظار کرتا ہے۔ بالآخر سورج عین جال کے درمیان میں آ جاتا ہے۔ اس لمحے اس کے چہرے پر منظر والے مسرت کے احساسات وارد ہوتے ہیں۔

— فلیش بیک —

بچہ۔ جال بچے کے چہرے کے آگے۔ پھرتیلیوں کا جال بلینک سپیس میں
اُبھرتا ہے۔ ہینڈل پر بچے کا ہاتھ۔ جال حرکت میں آتا ہے۔ مگر اس مرتبہ بچہ
بھی سکرین پر آتا ہے۔ سلوموشن میں صرف دو قدم بھاگتا ہوا۔

— فلیش بیک ختم —

کیمرا جال پر۔ مگر اب جہاں سورج تھا، وہاں جال کے پیچھے عائشہ کھڑی ہے۔
اس طرح کہ سورج نظر نہیں آتا۔ ہاتھ میں ایک پیالی ہے۔ بالکل بے حس و حرکت
کھڑی ہے۔

عائشہ:- (مُسکرا کر۔ وہ بے حد خوب صورت لگ رہی ہے، کیا تمہارے اور میرے

درمیان یہ جال ہمیشہ حائل رہے گا؟

صابرا پنی گھلی آنکھیں جھپکتا ہے۔ اور پھر عائشہ کو جال کے پیچھے دیکھ کر حیران
رہ جاتا ہے۔

صابر :- عائشہ تم! تم اتنی سویرے یہاں کیا کر رہی ہو؟

عائشہ :- (پیالی اُدبھی کر کے، چینی لینے آئی تھی۔ خالہ جان باورچی خانے میں ناشتہ

تیار کر رہی تھیں، کہنے لگیں صابرا صحن میں بیٹھا ہوگا۔ اسے کہو ناشتہ

کر لے آج اسے انٹرویو کے لیے جانا ہے۔

صابر :- ہاں آج مجھے پھر انٹرویو کے لیے جانا ہے۔

عائشہ :- (جال کو تھامتے ہوئے، اسے سمیٹ کر اندر رکھ آؤں؟

صابر :- (ترشی سے) نہیں!

عائشہ جال چھوڑ دیتی ہے۔

عائشہ :- پچھلی مرتبہ میں نے غصے میں جانے تمہیں کیا کیا کہہ دیا.... تمہیں

دکھ ہوگا... مجھے بھی افسوس ہے۔ لیکن صابر... سورج کی جانب پرواز

کرنے سے ہمیشہ پر جہل جاتے ہیں... تم....

صابر :- (رک رک کر) میرے پر موم کے نہیں ہیں عائشہ!

عائشہ :- تمہاری ڈگریاں - تعریفی اسناد - قابلیت - سب موم کے پر ہیں صابر۔ انہیں

زمانے کی حدت سُلگا کر خاک کر سکتی ہے۔ ہاں اگر تم زمانے کا ساتھ دو۔ اور

زمانے میں تمہارے والدین - میری امی اور میں... عائشہ سب شامل ہیں۔

تو یہی موم کے پر پتھر کے بن سکتے ہیں۔ کبھی نہ پگھلنے والے...

صابر :- (سر ہلا کر) پتھر کے پروں سے تم پرواز تو نہیں کر سکتے۔

عائشہ :- ہاں! لیکن وہ تمہیں اتنی بلندی پر بھی نہیں لے جاتے جہاں سے گر کر تم

اپنے آپ کو چکنا چور کر لو۔

ماں کی آواز آتی ہے۔

ماں :- صابر بیٹے ناشتہ کر لو۔ دیر ہو رہی ہے۔

صابر اٹھتا ہے۔ ایک نظر جہاں پر ڈالتا ہے۔ پیچھے کھڑی عائشہ مسکرا رہی ہے۔

سین نمبر ۹

منظر کا سیٹ - وہی کمرہ۔ صرف دو کرسیاں ایک سرے پر اور ایک دوسرے

سرے پر۔ انٹرویو جاری ہے۔ آواز نہیں ہے۔ صابر موڈ ہو کر بیٹھا ہے۔ کبھی کبھار زبردستی

کی مسکراہٹ چہرے پر لانا ہے۔ جو فوراً بجھ جاتی ہے۔ بار بار سر ہلاتا ہے۔ جیسے بس سر!

بس سر کہہ رہا ہو۔ انٹرویو ختم ہوتا ہے۔ انٹرویو والے دو شخص سرگرمیوں میں تبادلاً خیال

کرتے ہیں۔ پھر ایک صابر سے مخاطب ہوتا ہے۔

شخص :- تھینک یو مسٹر صابر! ہمیں افسوس ہے کہ آپ سیلز ایگزیکٹو کے لیے

موزوں نہیں ہے۔ دکھانس کر، لیکن اگر آپ پسند کریں تو ہم آپ کو سینئر

کلرک لینے کے لیے تیار ہیں۔

صابر کا مسکراتا چہرہ سنجیدہ ہو جاتا ہے، جیسے وہ اپنی کامیابی کے بارے میں یقین

رکھتا تھا... چہرے پر مایوسی...

شخص ۲ :- اور وہ بھی صرف اس لیے کہ آپ کے والد کے ایک جاننے والے نے آپ کی

سفارش کی تھی۔

صابر بالکل STUN ہو جاتا ہے۔

شخص ۲ :- کہیں آپ کو ہماری آفر منظور ہے؟

کیرہ صابر کے چہرے پر کلوز ہوتا ہے، وہ سخت ذہنی کش مکش میں مبتلا ہے۔ مایوسی

جھنجھلا ہٹ، شکست کا تاثر۔

فلپس بیک

BLANK SPACE - اس میں تیلیوں کا جال ابھرتا ہے، دستے پر تپتے

کی مٹھی۔ ایک بچہ۔ سلوموشن میں۔ بھاگتا ہوا۔ افق پر سورج۔ وہ جال لیے اس

سورج کو جال میں پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ سورج جال کے عین درمیان میں

آتا ہے۔ یہاں منظر ساکت ہو جاتا ہے۔ پھر ایک جھٹکے سے منظر حرکت میں آتا ہے۔

جیسے سورج جال سے نکل گیا ہے۔ بچہ پھر بھاگ رہا ہے ہنستا ہوا۔ سورج کا پچھپا

کرتے ہوئے۔ جال میں پھر ایک مرتبہ سورج نظر آتا ہے۔ منظر پھر ساکت ہو جاتا

ہے۔ دوبارہ ایک جھٹکے کے ساتھ حرکت۔ اسی طرح چار پانچ مرتبہ۔ آخری سٹیل میں

بچہ سر جھکائے واپس جا رہا ہے۔ ناکام!

فلپس بیک ختم

سین نمبر ۱

صابر ڈرائینگ روم میں داخل ہوتا ہے۔ باپ حُقتے سے منہ اٹھا کر اس طرف دیکھتا ہے۔ ماں کپڑا سینے سے سر اوپر اٹھا کر دیکھتی ہے۔ اس کے قریب بیٹھی ہوئی رہتی ہے۔ بہن صوفے پر لیٹی ایک رسالہ پڑھ رہی ہے۔ صابر کو دیکھ کر اٹھ پڑتی ہے۔ صابر آہستہ آہستہ چلتا ڈرائینگ روم سے نکلتا ہے۔ یہاں وہی موسیقی جو منظر ۱ میں تھی۔ صحن میں داخل ہوتا ہے۔ تار پر جال لٹک رہا ہے۔ تھکے ہاتھوں سے جال سمیٹتا ہے۔ واپس ڈرائینگ روم میں آتا ہے۔ جال کو کارنس پر پہلے کی طرح پھیلا دیتا ہے۔ سب لوگ اس کی جانب دیکھ رہے ہیں۔ انتہائی دکھ کے ساتھ۔ جال پھیلا کر پیچھے ہٹنے لگتا ہے۔ اور پھر نظر عائشہ کی تصویر پر پڑتی ہے، جو جال کے پیچھے آگئی ہے۔ عائشہ کو ایک نظر دیکھتا ہے۔ جال اٹھا کر تصویر نکالتا ہے۔ اور اسے جال کے آگے کارنس پر رکھ دیتا ہے۔ کیمرا تصویر پر کلوز ہوتا ہے۔ پس منظر میں جال۔

○ پانی کا قیدی

ایک مونتاژ۔ روشن دین ماشکی، ڈبلا پتلا مگر مضبوط جسم کا مالک۔ عمر تقریباً چالیس برس تمام ماشکیوں کی طرح پانی ڈھوتے ہوئے پاؤں سے ننگا رہتا ہے۔ تہمد، گرتہ اور نگڑی جو صاف کرنے کا کام بھی دیتی ہے۔

۱۔ طویل سیڑھیاں جن کا آخری سرانظر نہیں آتا۔ البتہ ایک روشنی ہے۔ جو اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ بالآخر یہ ختم ہوتی ہیں۔ روشن بھری ہوئی مشک اٹھائے اوپر دیکھتا ہے اور پھر ایک عزم کے ساتھ چڑھنے لگتا ہے۔ چال میں لغزش نہیں، بھرپور استقامت ہے وہ آخر تک جا کر روشنی میں گم ہو جاتا ہے۔

۲۔ مختلف مکانوں کی سیڑھیاں، وقت صبح کا بازار میں چھڑکاؤ کر رہا ہے۔ صحنوں میں جلوائی کی دکان۔ بڑے بڑے ٹیکے بھر رہا ہے۔ مختلف برتن مثلاً گھڑے، صراحیوں، دیگیوں بھرتی چلی جاتی ہیں اور یہاں سے کیمرو ایک بلڈنگ سائٹ پر جاتا ہے۔ روشن کی مشک اینٹوں پر خالی ہو رہی ہے۔۔۔ ادھر چند مزدور بنیادوں پر کام کر رہے ہیں۔۔۔ روشن نلکے پر جاتا ہے۔ پاس ہی مکان کا مالک یا ٹھیکیدار چار پانی پر بیٹھا ہے۔

روشن :- ڈیڑھ بجنے میں بیس منٹ، میں ملک جی؟

ملک :- دکھڑی دیکھ کر، ہاں... روشن وقت کا تجھے پتہ ہوتا ہے تو پوچھنا کیوں ہے بار بار؟

روشن :- ہم دیہاتی لوگ کچے کوٹھوں پر اترتے سایوں سے اندازہ لگاتے ہیں ملک جی... پر شہر میں آکر سب غلط ملط ہو جاتا ہے۔

ملک :- مگر یہ تو ساری پکی آبادی ہے روشن دین۔ یہاں...
 روشن :- ہم دیہاتی شہر آتے ہیں ملک صاحب تو وہ کچے کوٹھے بھی ہمارے ساتھ چلے آتے ہیں، ہمارے جسم کا ایک حصہ بن کر پھر ہمارے اندر تک تک شروع ہو جاتی ہے۔ ہمیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ کیا دقت ہو گیا ہے۔
 ملک :- پھر تو تمہیں پانی سے دور رہنا چاہیے روشن دین، ہمیں وہ کچا کوٹھا ڈھلے نہ جائے۔

روشن :- نہیں ملک جی وہ تو آپ کے پگے چو باروں سے بھی زیادہ پگاہے اس کی بنیادیں بڑی مضبوط ہیں۔

ملک :- اپنی بنیادیں مضبوط رکھو اور ادھر ہماری بنیادیں سوکھ رہی ہیں۔
 روشن :- میں اچھی طرح چھڑکاؤ کر آیا ہوں ملک جی۔ اینٹیں بھی ترکردی ہیں اب اجازت دیں مجھے دیر ہو رہی ہے۔

ملک :- روزانہ ڈیڑھ دو گھنٹے کے لیے کہاں چلا جاتا ہے اس وقت۔
 روشن :- اپنی پیاس بجھانے ملک جی۔

اس دوران ایک تھیلے سے جوتے نکال کر پہن لیتا ہے۔

— CUT —

ایک انگریزی میڈیم شاندار سکول۔ چھٹی ہو رہی ہے۔ بچے یونیفارم پہنے باہر نکل رہے ہیں۔ چند خوائے والے بھی دکھائے جاتے ہیں جن کے گرد بچوں کا ہجوم ہے۔

روشن انتظار کر رہا ہے۔ ایک بچہ نکلتا ہے بہت سمارٹ۔ وہ روشن کی طرف آتا ہے۔ روشن اسے اٹھا کر چلنے لگتا ہے مگر بچہ ادھر ادھر دیکھ کر نیچے اتارنے کو کہتا ہے۔ پھر روشن کے ساتھ پیلا جاتا ہے۔

CUT

ایک کٹری یا گنجان محلہ۔ ایک بوسیدہ کواڑوں والا دروازہ۔ روشن اور بچہ آتے ہیں۔ روشن تالا کھول کر اندر جاتا ہے۔ دو چار پائیاں۔ ایک کے چاروں طرف بچے نے کتابوں اور اخباروں میں سے تصویریں کاٹ کر چسپاں کر رکھی ہیں۔ وہاں وہ اپنا کتابوں والا چھوٹا سوٹ کیس رکھتا ہے۔ ایک طرف گھڑوں کا سٹینڈ ہے جس پر پانچ چھ گھڑے رکھے ہیں۔ روشن آگے بڑھ کر گھڑے کے اوپر ٹکے گلاس کو اٹھا کر پانی ڈالتا ہے اور بچے کی طرف بڑھتا ہے۔ سب گھڑے بھرے ہوئے ہیں۔

روشن :- پی لے بیٹے پیاس لگی ہے ناں ؟

بچہ :- (ناگواری سے) اتنی سردی ہیں ؟

روشن :- سردی ہو یا گرمی جسم تو خشک ہوتا رہتا ہے ناں۔ ہمارے بزرگوں کا (خود گھونٹ بھرتا ہے) کہنا ہے کہ پانی کا ایک گھونٹ تھکاوٹ کو، غصے کو، نفرت کو سرد کر دیتا ہے۔

اور یہ کرتا ہے بیٹے۔ تجھے گرم گرم دودھ لادوں حلوائی سے ؟

بچہ :- نہیں آبا۔ تجھے کام پر واپس جانے میں دیر ہو جائے گی۔ میں خود پی آؤں گا روٹی کھانے کے بعد۔

روشن :- (ایک پٹی کھولتا ہے) ٹھنڈی نہ ہو گئی ہوں، آلو کی ٹکیاں لایا ہوں۔ تمہارے لیے۔

بچہ :- آج پھر وہی ٹکیاں

روشن :- میں شام کو جلدی آجاؤں گا تو دونوں باپ بیٹا مل کر بھیجیہ بنا لیں گے۔

بچہ :- ارے آبا وہ بھی تو آلوکی ہوگی...

روشن :- تو پھر داپسی پر میں شلغم لے آؤں گا۔ چاول بھی ہیں، اُبال لیں گے۔

بچہ :- اور حلوہ بھی آبا؟

روشن :- ہاں۔ تم نے یاد رکھا آج جمعرات ہے۔

بچہ :- آبا جب آپ چھوٹے ہوتے تھے تو آپ بھی حلوہ کھایا کرتے تھے؟

روشن :- بس عید بقر عید پر... اُن دنوں چینی تو ہوتی نہیں تھی۔ گڑ کا بناتے

تھے۔ میری ماں بناتی تھی۔

بچہ :- بہت مزیدار ہوتا ہوگا ماں کا بنایا ہوا۔

روشن :- رچونک کر، نہیں بس ایسا ہی ہوتا تھا۔ جس طرح کا ہم بناتے ہیں، ہم

تو چینی سے بناتے ہیں۔ لے اب تو جلدی سے روٹی کھالے۔ تھوڑی دیر

آرام کر کے پھر اطمینان سے بیٹھ کر گھر کا کام کرنا۔

بچہ :- (فیس کارڈ آگے کر کے) آبا کل فیس بھی جمع کروانی ہے۔

روشن :- تو کروادیں گے۔ مالدار لوگ ہیں، ہم۔ اس مرتبہ کتنی ہے؟

بچہ :- پچھتر روپے...

روشن :- دس روپے بڑھ گئے؟

بچہ :- کھیلوں کے لیے چندہ ہے۔

روشن :- بیٹا تو کھیلا ویلا مت کر بس کتابوں میں ہی دھیان رکھ۔

بچہ :- آبا وہ کھلاتے کہاں ہیں۔ صرف چندہ لیتے ہیں۔

روشن :- ربان کا بھلا کرے جو کرتے ہیں اچھا کرتے ہیں۔ بہر حال میں تو چاہیے

پھیرے لگاؤں تو دس روپے جمع ہوتے ہیں (سوچ کر) یا یہ نہیں ہو سکتا

کہ میں فیس دینے کی بجائے تمہارے سکول میں پانی بھرا یا کروں۔ پچھتر

ردپے کی جتنی بھی مشکیں بنتی ہیں چار آنے فی پھیرا کے حساب سے .

بچہ :- میری بے عزتی ہوگی ابا۔

روشن :- ہیں ؟ کام کرنے میں بھی بے عزتی ہو جاتی ہے بیٹے ؟

بچہ :- پہلے ہی تمام بچے میرا مذاق اڑاتے ہیں کہ تمہارا باپ ماشکی ہے .

روشن :- وہ تو میں ہوں . میرے باپ دادا بھی یہی کام کرتے تھے . تم ان کو کہا کرو کہ

تمہارے باپ بھی تو لوہار ترکھان اور موچی وغیرہ ہیں . یہ انجینئر اور فرنیچر

والے اور شو سٹور والے یہی کچھ تو ہوتے ہیں . (چونک کر) اوہ تین بچے والے

ہیں . میں چلتا ہوں اور پیاس لگے تو خیر کمرے میں ہی رہنا۔

میں جلدی آ جاؤں گا . پھر کھانا پکائیں گے دونوں .

بچہ :- دودھ پینے بھی نہ جاؤں ؟

روشن :- ہاں سچ ۔ چاچے حلوائی کی دکان تک ہی جانا ۔

پیسے نکال کر دیتے ہوئے — جوتا اتار کر بغل میں دباتا ہے ، اور دروازے سے

نکل جاتا ہے . بچہ کھانا کھانے لگتا ہے .

———— CUT ————

رات کا وقت . روشن مشک کاندھے پر ڈالے آ رہا ہے . بازار خالی ہے . حلوائی

کی دکان بھی بند ہے . دروازے کے قریب پہنچ کر جوتی پہنتا ہے . اندر داخل ہوتا

ہے . بچے کا بستر خالی ہے . پریشان ہو کر باہر آتا ہے . ادھر ادھر دیکھتا ہے . پھر

اندر جا کر تالانکالتا ہے . دروازے کو لگانے لگتا ہے کہ سامنے کے مکان سے فاطمہ

نکلتی ہے .

فاطمہ :- روشن یہ وقت ہے آنے کا ؟

روشن :- بس کیا بتاؤں بہن فاطمہ اور مراد

فاطمہ: اندر آ جا...

دونوں فاطمہ کے مکان میں جاتے ہیں۔ اندر مراد سویا ہوا ہے۔

روشن :- اوہ شکر ہے۔ میں تو گھبرا گیا تھا۔

جا کر اس کا ماتھا چومتا ہے۔

فاطمہ :- تھوڑی دیر پہلے روتا روتا آیا تھا کہنے لگا آبا نہیں آئے مجھے ڈر لگ

رہا ہے۔ میں نے دم دلا سا دیا۔ کھانا کھلایا۔ پھر راہیاں کے ساتھ کھیلتا

رہا۔ ابھی ابھی سویا ہے۔

روشن اپنی پوٹلی ٹٹولتا ہے جس میں شلغم ہیں۔ فاطمہ کا خاندان آنکھیں ملتا ہوا

آتا ہے۔

شریف :- تم بھی حد کرتے ہو روشن دین۔

روشن :- بس پانی نے پاؤں باندھ لیے تھے۔ ٹھیکیدار کہنے لگا کہ ساتھ والی کوٹھی

پر لینٹر پڑ رہا ہے۔ پھیرے کے دُگنے پیسے دوں گا۔ میں لاپچ میں آ گیا اس

کی فیس بڑھ گئی ہے ورنہ.....

شریف :- کتنی مرتبہ کہا ہے کہ دیر سے آتا ہو تو اسے ادھر چھوڑ جا یا کر۔

روشن :- شریف بھائی آپ کے سہارے ہی تو اسے یوں اکیلا چھوڑ کر اطمینان

سے چلا جاتا ہوں ورنہ روزا خباروں میں آتا ہے کہ بچہ گھر سے نکلا اور

..... رب خیر کرے۔ اللہ رحم کرے۔

فاطمہ :- میں تو آتی جاتی جھانک کر آتی ہوں۔ مگر پھر بھی تجھے شام ہونے ہی

لوٹ آنا چاہیے۔

شریف :- اچھا جیلا گزارہ ہوتا ہے تم دونوں کا، پھر کہوں لاپچ کرتے ہو۔ سچے کو

اکیلا چھوڑ دیا جائے تو وہ خرگوش کی طرح ہو جاتا ہے سہما ہوا۔ دُبکا ہوا۔

روشن :- بس غلطی ہوگئی .

مُراد کو اٹھاتا ہے .

اللہ تم دونوں پر ہمیشہ خوشیوں کا مینہ برسائے .

فاطمہ :- کھانا کھاؤ گے روشن بھائی ؟

روشن :- میرے دانے پانی کا بندوبست ہے ۔ مہربانی ۔ اچھا بہن .

———— CUT ————

اپنے کمرے میں لا کر مُراد کو لٹاتا ہے . مُراد آنکھیں کھولتا ہے .

مُراد :- تم آگے آنا ۔

روشن :- (گلے لگا کر) ہاں میری آنکھوں کی ٹھنڈک . میرے بیٹے ... میرے بیٹے .

... روتا رہا ہے ؟ ارے ہم زیادہ دیر کام نہ کریں گے تو مالدار آسامی کیسے

کہلا نہیں ... مالدار آسامی ہیں تو تجھے بہترین اول نمبر سکول میں ڈالا ہوا

ہے ناں ... اور پھر کپڑے بھی اُس دکان سے لے کر بیٹھاتے ہیں جہاں سے

وہ سارے انجینیئر اور افسر وغیرہ اپنے بیٹوں کے لیے خریدتے ہیں ... اور

روتا رہا ہے ؟

کندھے سے ہٹا کر دیکھتا ہے . مُراد سویا ہوا ہے . مسکرا کر لٹا دیتا ہے . پھر پوٹلی کھول

کر شلغم پھیننے لگتا ہے . مگر پھر کچھ سوچ کر اٹھتا ہے اور پانی کا ایک گلاس پی کر سو

جاتا ہے ...

———— CUT ————

صبح کی اذان ۔ روشن جاگتا ہے . کیل سے ٹکی مشک اٹھا کر اسے فرش پر بچھاتا ہے

پھر اُس پر ہاتھ رکھ دیتا ہے .

روشن :- بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اسے رب ہمیشہ کی طرح آج بھی تجھ سے روزی

کا طلب گار ہوں۔

چھو کر

اسے ہلکا رکھنا۔ میرا بوجھ کم کرنا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

مشک اٹھا کر کا ندھے پر ڈال لیتا ہے۔ مراد کروٹ لیتا ہے۔

مراد :- آبا آپ ہر صبح مشک اٹھانے سے پہلے بسم اللہ کیوں پڑھتے ہیں۔

روشن :- یہ ہم ماشکیوں کا دستور ہے بیٹے۔ اس طرح برکت ہوتی ہے۔ ہمارے

بڑے بوڑھوں ہیں ایسے لوگ بھی تھے جن پر اللہ پاک اتنا مہربان تھا کہ

ان کی بھری ہوئی مشکوں کو موتیوں کے پھول سے بھی ہلکا رکھتا تھا۔

مراد :- وہ بھی ننگے پاؤں پانی بھرتے تھے۔

روشن :- ہاں۔ پانی پاک ہوتا ہے۔ اور پاک جگہ پر آدمی ننگے پاؤں ہی جاتا ہے۔

لیکن تو کیوں اٹھ کر بیٹھ گیا ہے صبح سویرے... ابھی سو جا تھوڑی دیر

شباباش۔ میں چاچے حلوائی کو بھگتا کے آتا ہوں۔

CUT

نلکے سے مشک بھرتا ہے اور حلوائی کی دکان پر جا کر اس کی دکان میں پانی ڈالتا ہے۔ سنائی

کرواتا ہے۔ کڑا ہیوں اور مٹی کے مشکوں میں پانی ڈالتا ہے۔

حلوائی :- پیشہ ہم دونوں نے مشکل چننا ہے روشن دین۔

روشن :- میرا تو جدی پشتی کام ہے چاچے... پیشہ تو میرا بیٹا چنے کا پڑھ لکھ کر۔

اسی کے لیے تو گاؤں چھوڑ کر شہر کے ایک ڈربے میں بند ہو گیا ہوں۔ اور

پھر ویسے بھی ہمارا پیشہ اب سوکھا رہا ہے۔ ختم ہو رہا ہے۔ رب بھلا کرے

اس پانی کے محکمے کا دوسری تیسری منزل پر رہنے والے تو سوکھے ہی

رہتے ہیں اور ہماری روزی لگی، موٹی ہے یا پھر تم جیسے یار بیلی ہیں جو

کرم کر دیتے ہیں۔

حلوائی :- اللہ پاک کرم کرنے والا ہے روشن۔ جتنا پانی ہمیں درکار ہوتا ہے ناں۔

صبح سویرے اس کے لیے تو ٹیوب ویل بھی لگوا لیں تو گزارہ نہ ہو... رات

دیر سے آیا تھا؟

روشن :- ہاں بس...

حلوائی :- مراد آیا تھا دودھ پینے، تو اُسے پیے دے کر کیوں بھیجتا ہے۔ میرا کوئی

حق نہیں اس پر؟

روشن :- لے چاچے تو مجھ سے مفت میں پانی پھر والیا کرتا ہے بھی...۔

حلوائی :- کینی باتیں ہی کرتا ہے یا۔ اور سن۔ سچ سچ بتا دے رات کو دیر سے

کیوں آیا تھا؟

روشن :- اب تو کینی باتیں کر رہا ہے۔ بڑی کالونی میں ایک مکان کا لینڈر پڑ

رہا تھا وہاں لگا رہا۔ پھر واپسی پر بس نہ ملی تو پیدل آنا پڑا۔

حلوائی :- ہاں شہر بہت پھیل رہا ہے۔ جہاں زمین کا ٹکڑا خالی نظر آئے ایجنٹ

لوگ کالونی بنا کر پلاٹ بیچنے لگتے ہیں۔

روشن :- اناڑی ماشکی ہونا تو اس کی مشک بہت پھول جاتی ہے مگر اس

میں پانی کم ہوتا ہے اور ہوا زیادہ۔ شہر بھی اس طرح پھیل رہا ہے۔ لے

یہ مٹ بھی بھر گیا ہے۔ اب مجھے چھ مشکوں کے بدلے میں حلوہ پورے

دے دے۔ مراد انتظار کر رہا ہوگا۔

حلوائی :- یہ لے۔ مراد پڑھ لکھ کر نوکر ہو جائے ناں تو اس مشک کے ٹکڑے

کاٹ کر محلے کے بچوں میں بانٹ دینا۔

روشن :- نہ چاچے۔ بس اس میں جان نہیں ہے ورنہ تو اس نے مجھے ایک ماں

کی طرح اپنے سینے سے لگائے رکھا ہے۔ یہی تو ہم باپ بیٹوں کے پیٹ کی پیاس بجھاتی ہے۔ مُراد کی نیس ادا کرتی ہے۔ کوٹھڑی کا کراہہ دیتی ہے۔ ناں چاچے، مُراد جب بڑا افسر ہوگا تو اسے اس کے ڈرینگ روم میں سجاؤں گا۔ تاکہ اسے یاد رہے کہ اسے بڑا بنانے والا کون تھا۔

ہنس کر
لوا بھی تو آسمان پر بادل چھائے ہیں۔ پہلا قطرہ بھی نہیں گرا اور میں
دسواں داربارش کے خواب دیکھنے لگا۔

— CUT —

کمرے میں آتا ہے۔ مُراد کو علوہ پوری کھلاتا ہے جو اس دوران سکول جانے کے لیے تیار ہو چکا ہے۔ اُسے سکول لے کر جاتا ہے۔ پھر دو تین شاٹ اس کی مصروفیت کے اور پھر ڈیڑھ بجے وہ مُراد کو لینے جاتا ہے۔ مُراد کی انگلی پکڑتا ہے اور واپس آ رہا ہے۔ پیچھے پیچھے دو نوجوان لڑکے آ رہے ہیں۔ لڑکے آواز دیتے ہیں۔

نوجوان ۱ :- ارے اد بھائی اوئے میاں

روشن ٹھہر جاتا ہے۔

نوجوان ۲ :- کون ہو تم

نوجوان ۱ :- کہاں سے آ رہے ہو ؟

روشن :- میں ... میں روشن ماشکی ہوں جی اور

نوجوان ۲ :- اور یہ لڑکا کیا لگتا ہے تمہارا ۔

روشن :- دیکھتے ہوئے، آپ کا کیا خیال ہے باؤ کہ کیا لگتا ہے۔

نوجوان ۱ :- (طنز پر) بیٹا ہوگا تمہارا ۔

روشن :- ہاں۔

نوجوان ۲ :- ہاں۔ تمہارا ہی لگتا ہے۔ وہی صاف ستھرے کپڑے، وہی صورت شکل

انگریزی سکول میں پڑھا رہے ہو؟

روشن :- جی ہاں ...

نوجوان :- جی ہاں کے بچے۔ بچے کو اغوار کر رہے ہو چلو تھانے۔ قہر خدا کا دن دھاڑے
معصوم کو لیے جا رہا ہے۔

روشن :- (قدرے پریشان ہو کر) نہیں باؤ جی غلطی لگی ہے آپ کو۔ خون کے رشتوں
کا اندازہ کپڑوں سے تو نہ لگائیے۔ میرا بیٹا ہے۔ کیوں مراد بیٹے؟

مراد :- ہاں آبا جی۔ یہ میرے آبا جی ہیں۔

نوجوان :- دیکھو اس معصوم کو کتنا ڈرا رکھا ہے۔ کیوں بیٹے۔ اس نے کہا تھا کہ ہاتھ
پاؤں توڑ دوں گا۔ اگر ...

مراد :- میرے آبا جی ہیں۔

روشن :- بیٹے یہ نہیں مانیں گے۔ اور ان کا قصور بھلی نہیں ہے۔ اپنے کپڑوں کی
طرف دیکھتے ہوئے، چلو ٹھیک ہے ان کی سیر ہو جائے گی۔ آئیے میرے ساتھ۔

CUT

حلوائی کی دکان بازار میں۔ وہ نوجوان جیسے پوچھ چکے ہیں۔ معذرت بھری نظروں
سے روشن کو دیکھتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

حلوائی :- یا تو اسے اتنا بنا سنوار کر نہ بھیجا کر اور یا پھر خود کام کے کپڑے پہنا کر۔

روشن :- سوٹ پہن کر پانی بھرا کروں۔

حلوائی :- تو پھر بیگنا کر۔ ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی تیری گردن دبوچے چلا آ رہا
ہوتا ہے۔

روشن :- چاچے پانی کا قیدی ہو کر اچھے کپڑے کیسے پہن لوں۔ جوتی پہن کر
توجاتا ہوں۔

حلوائی :- بڑا احسان کرتے ہو مُراد پر کم از کم مشک تو اتار کر کہیں رکھا یا کرو۔
 روشن :- (کھسیانا ہو کر) یہ کندھے سے اتار دوں تو ذرا کتنی کھانے لگتا ہوں سیدھا
 نہیں چلا جاتا، چل دو دھ پلا مُراد کو۔
 حلوائی :- (دہنس کر) کتنی مشکوں کا۔

CUT

کوٹھڑی میں۔ روشن زمین پر بیٹھا مشک کا ٹھہ رہا ہے۔ مُراد چار پائی پر پڑھ
 رہا ہے۔

مُراد :- ابا، یہ طوفانِ نوح کیوں آیا تھا۔
 روشن :- حضرت نوح کی قوم سیدھے راستے پر نہیں چلتی تھی۔ اللہ میاں تے پانی
 کا عذاب بھیج دیا۔

مُراد :- مگر ابا آپ تو کہتے ہیں پانی اللہ میاں کی رحمت ہے، پاک شے ہے۔
 روشن :- بندہ پاک ہو تو پانی بھی پاک رہتا ہے۔ ورنہ عذاب بن جاتا ہے دیکھو نا
 اگر مشک اس کھال کی بنی ہو جو حلال کیے ہوئے جانور کی ہوتی ہے تو اس
 کا پانی پاک ورنہ.....

مُراد :- (اٹھ کر) ابا طوفانِ نوح میں ماشکیوں کا کام تو ٹھپ ہو گیا ہوگا میں
 اسے کندھے پر اٹھا کر دیکھ لوں۔

روشن :- (خوش ہو کر) ہاں ہاں کیوں نہیں۔

مُراد بڑی مشکل سے کندھے پر اٹھاتا ہے، ادھر ادھر گھومتا ہے، جیسے پانی دے
 رہا ہو.....

روشن :- مُٹھی مضبوط رہنی چاہیے، مگر کو ایک دم مت جھکاؤ، آہستہ آہستہ (ایک
 دم سنجیدہ ہو کر اٹھتا ہے، اور مُراد کے کندھے سے مشک اتار لیتا ہے،

مُراد :- کیا ہوا ابا؟

روشن :- جو انسان ایک مرتبہ اٹھائے وہ ہمیشہ کے لیے جھک جاتا ہے۔ میں تجھے ایک سرو کے درخت کی طرح سیدھا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے ناندان میں آخری جھکا ہوا آدمی میں ثابت ہوں۔ ہم بھی سرائٹھا کر چار چوہیرے دیکھیں کہ دنیا کیسی ہے۔

مُراد :- ابا آدمی جھک کیوں جاتا ہے؟

روشن :- بیٹے ایک اچھی مشک تبھی بنتی ہے اگر کھال میں کوئی ٹک نہ ہو۔ کوئی سوراخ نہ ہو۔ اللہ میاں نے سب کی کھال کو بے داغ بنایا ہے۔ پھر کچھ لوگوں کی کمینگیاں اور لاپچ ان کی کھالوں میں سوراخ کر دیتی ہیں۔ ان سوراخوں میں سے ان کے حصے کا بوجھ بہہ جاتا ہے جو دوسروں کو اٹھانا پڑتا ہے۔ اور وہ جھک جاتے ہیں۔

مُراد :- ابا آپ نے اب کام پر نہیں جانا؟

روشن :- نہیں آج میں تیرے پاس رہوں گا۔ رات دیر سے آیا تھا نا۔ فیس دے آیا تھا؟

مُراد :- ہاں ابا۔ اور پتہ ہے میں کلاس میں واحد لٹر کا ہوں جو پورے وقت پر ہر ماہ فیس جمع کرواتا ہے۔ ابا میں راہیاں کے گھر چلا جاؤں کھیلنے کے لیے۔

روشن :- میں تو تیرے لیے۔ خیر چلا جا، گھر جلدی آنا، پھر دونوں باپ بیٹا بیٹھ کر ہانڈی پکائیں گے۔ اور ٹھہر۔ (اٹھ کر پانی کا گلاس دیتا ہے) لے پی لے

مُراد منہ بناتا ہے۔ اور روشن خود ہی ایک گھونٹ بھر کر رکھ دیتا ہے۔

روشن :- اچھا جلدی آجانا۔

واپس آکر مشک گانٹھنے لگتا ہے۔

CUT

ایک مونثہ از روشن کی زندگی کا چھوٹے برتنوں سے بڑے مٹوں تک بھرتے ہیں۔ روشن کی مٹھی کھلتی ہے۔ اجرت ملتی ہے۔ یہی مٹھی کوٹھڑی میں مراد کی پھیلی ہوئی ہتھیلی میں کھلتی ہے۔ مونثہ از۔ پھر مٹھی۔ مونثہ از۔ پھر مٹھی۔ مراد ہتھیلی بند کر دیتا ہے۔ اور کیرہ آہستہ آہستہ اس پر جاتا ہے۔ وہ جوان ہو چکا ہے۔

روشن :- بیٹے ایم اے تو تم نے پاس کر لیا ہے اب کون سے امتحان کے لیے نہیں داخلہ چاہیے ...

مراد :- نرا پورا ایم اے کرنے سے آج کل کیا ہوتا ہے۔ آبا۔ پرائیویٹ فرموں میں تو باپ کا نام اور کام دیکھ کر نوکریاں ملتی ہیں۔ میں مقابلے کے امتحان میں بیٹھنا چاہتا ہوں۔ شاید قسمت وہاں ساتھ دے جائے۔

روشن :- وہاں باپ کا نام اور کام نہیں پوچھتے۔

مراد :- انٹرویو میں پوچھتے ہیں لیکن اگر تحریری امتحان میں نمبر اچھے ہوں تو اتنا زیادہ فرق نہیں پڑتا۔

روشن :- پڑتا ضرور ہے مراد کندھے اچھکاتا ہے، تو پھر یہ منٹ کہنا نا کہ تیرا باپ ماشکی ہے کہنا کہ پانی کے ٹیکے میں ہے۔ بلکہ سپلائی کے ٹکے میں لیکن تمہیں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ جھکے ہوئے لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ کہہ دینا کہ میرا باپ ماشکی ہے۔ اس کا باپ بھی ماشکی تھا۔ مگر میں سرد کا بوٹا ہوں۔ کیونکہ میری جڑوں کو حق حلال کی روزی کا پانی ڈال کر سینچا گیا ہے۔ یہ تو فخر کی بات ہے بیٹے۔

مُراد :- میرے لیے تو ہے آبا۔ لیکن آپ نے سرور ڈھول بجا کر اعلان کرنا ہے کہ ہم
 ناشکی ہیں۔ اس روز بھی جب میرے دوست مجھے ملنے آئے تو آپ نے یہی باتیں
 چھیڑ دیں کہ کون سے چمڑے کی مشک چھی بنتی ہے۔ اور اس کی سلائی کے لیے
 کون سا دھاگا استعمال کرنا چاہیے۔

روشن :- مجھے جو باتیں آتی ہیں وہی کر سکتا ہوں۔ میں نے جو کسب کیے ان کا ذکر ہی
 کر سکتا ہوں تو نہ لایا کر اپنے دوستوں کو دیکھوں میں نہی،

مُراد :- اور ہوا آبا۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا مجھے معاف کر دیں۔ قسم سے آپ کہیں نا
 تو میں اب بھی مشک اٹھالوں اس طرح میں پہلا ایم اے پاس ناشکی ہوں
 گا مجھے معاف کر دیں۔

روشن :- جا... جا کر فیس جمع کروادے۔ رب سچا تجھے اس امتحان میں بھی پاس
 کرے۔

مراد جانے لگتا ہے۔

روشن :- اور سن۔ (پانی کا گلاس بھر کر دیتا ہے) یہ پی لے۔ سائیکل چلاتے وقت
 پیاس لگے گی۔ (مراد پانی پیتا ہے۔ اور سائیکل نکال کر باہر چلا جاتا ہے)

———— CUT ————

رات کا وقت۔ مراد سائیکل پر علوانی کی دکان کے قریب سے گزرتا ہے "سلام چاچے"
 پھر کوٹھڑی کے دروازے پر رکتا ہے۔ دروازہ بند ہے۔ سامنے دیکھ کر وہاں جانا
 ہے۔ راہیاں بھاڑو دے رہی ہے۔ مراد ناک پر رومال رکھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ وہ
 پاس آکر اُدپر دیکھتی ہے۔

راہیاں :- (دوپٹہ اڑھ کر) تم مراد۔ بڑے دنوں کے بعد آئے ہو۔

مُراد :- مقابلے کے امتحان کے لیے بڑی کٹی تیاری چاہیے۔ سارا دن لائبریری میں

بیٹھا رہتا ہوں۔ اب بھی وہیں سے آرہا ہوں۔ چاچا، چاچا جی کہاں ہیں۔
رابیاں :- کسی شادی پر گئے ہیں۔
مُراد :- اور تجھے گھر چھوڑ گئے ہیں۔
رابیاں :- کبھی نہ کبھی تو چھوڑ ہی جاؤں گی۔ مراد تو کب تک فارغ ہو جائے گا
پڑھائی سے۔

مُراد :- رائے شک کی نظروں سے دیکھتا ہے، کیوں پوچھتی ہے؟
رابیاں :- چاچے روشن نے کہا تھا کہ جب تو پڑھائی سے فارغ ہو جائے گا۔
مُراد :- تو کیا؟
رابیاں :- تو پھر۔
مُراد :- پھر؟

رابیاں :- (موضوع بدل کر) رومال کیوں رکھا ہے اپنے ناک پر۔ جو آتی ہے
ہمارے گھر میں سے۔

مُراد :- ارے نہیں۔ وہ تم اتنی دھول اڑا رہی تھیں کہ۔۔۔ ہاں سچ آبا نہیں آیا
ابھی تک کچھ کہہ گیا تھا؟

رابیاں :- ہاں کہتا تھا ایک شاپنگ سنٹر کی چھت پڑ رہی ہے۔ دیر سے آؤں گا۔
مُراد کو کھانا کھلا دینا۔ لاؤں؟
مُراد :- کیا۔

رابیاں :- کھانا نہیں کھاؤ گے؟

مُراد :- نہیں۔ میرا مطلب ہے مجھے بھوک نہیں ہے۔ ایک گلاس دودھ پی
لیتا ہوں۔

رابیاں :- ہیں نے تو آلو کی ٹکیاں بنائی تھیں۔

مُراد :- ٹھنڈی ہوں گی .

نکل جاتا ہے .

CUT

مُراد سائیکل پر آتا ہے . بازار میں ہر کسی سے سلام لے رہا ہے . چاچا علوانی ایک گاہک کو مٹھائی کا ڈبہ دینے کو ہے . مُراد اُسے سلام پھینک کر ڈبہ لے لیتا ہے . بڑتا ہے . ایک لڈو نکال کر علوانی کے منہ میں رکھتا ہے اور پھر سائیکل پر بیٹھ کر آگے بڑھ جاتا ہے . کوٹھڑی کا دروازہ روشن مشک اٹھائے نکلتا ہے . مُراد اسے روکتا ہے اور مشک کو کندھے سے اتار کر اندر چلا جاتا ہے . روشن حیران ہو کر پچھے جاتا ہے . مُراد مٹھائی کا ڈبہ کھول کر ایک لڈو اس کی طرف بڑھاتا ہے .

مُراد :- تیرے سارے بوجھ ختم ہو گئے آبا . اب تو سپیدھا ہو کر چل سکتا ہے .

روشن :- (کچھ کچھ سمجھتے ہوئے) میں صرف باہر سے جھکا ہوا ہوں . اندر سے تو نہیں .

پُر ہوا کیا ہے ؟

مُراد :- ملک بھر میں میری نوں پوزیشن آئی ہے . میں سلیکٹ — پاس ہو گیا ہوں آبا .

روشن :- (آسمان کی طرف منہ کر کے) بارش آ ہی گئی . میں ہر پیرا ہو گیا ہوں — .
 (پانی کا گلاس بھر کر پیتا ہے .) میری پیاس ختم ہو گئی . (مشک کو اٹھا کر سینے سے لگاتا ہے ، رت سچے کے بعد میں تیرا شکر گزار ہوں .) (مُراد مشک کو چھین کر پرے رکھ دیتا ہے) بڑا افسر ہو گیا ہے . کتنا بڑا ؟

مُراد بہت بڑا آبا ؟

روشن :- کب سے دفتر جانا شروع کیے گا ؟

مُراد :- ابھی نہیں آبا . پہلے چھ ماہ کی ٹریننگ ہوگی اکیڈمی میں . پھر پوسٹنگ

ہوگی۔

روشن :- چاچے چاچی کو خبر کی ؟ چاچے حلوائی کو بتایا ؟ اور... .. راہیاں (مسکرا کر)

اسے ضرور بتا کر آیا ہوگا۔

مراد :- میں تو سیدھا تمہارے پاس آ رہا ہوں۔

روشن مٹھائی کا ڈبے لے کر باہر نکلتا ہے۔ اور سب کو بانٹتا ہے۔

———— CUT ————

ایک پُرشکوہ عمارت کٹ کر کے اندر جاتے ہیں۔ مراد لڑکوں کی ایک کلاس میں بیٹھا ہے۔ تقریباً پندرہ بیس لڑکے سوٹوں میں بلبوس ہیں انٹریکٹریکٹو پیروے رہا ہے۔ پھر مونتاز۔ مراد ٹینس کھیل رہا ہے۔ گھڑ سواری کر رہا ہے۔ ڈرائیونگ روم میں کھانا کھا رہا ہے۔ ویٹر مڈب ہو کر کھڑے ہیں۔ ایک ویٹر گلاس میں پانی ڈالتا ہے۔ مراد ہٹیرا کر دیکھتا ہے۔ اور پانی پے کر دیتا ہے۔ چپراسی آتا ہے۔

چپراسی :- سر آپ کے ذریعے ہیں ؟

مراد :- میرے ؟

چپراسی :- جی سر۔ ویٹنگ روم میں تشریف رکھتے ہیں۔

———— CUT ————

ویٹنگ روم۔ روشن ایک کونے میں بیٹھا ہے۔ دوسرے کونے میں ایک اور لڑکا اپنے والدین کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا ہے۔ مراد آتا ہے۔

مراد :- دپاس آکر سرگوشی سے، ابا جی آپ۔

روشن :- (بلند اور EXCITED آواز میں) مراد بیٹے۔

مراد :- ذرا آہستہ ابا جی۔ وہ۔

روشن :- (ادھر ادھر دیکھ کر) تو اتنے دنوں سے نہیں آیا تھا تو میں نے....

مراد :- تو فون کریتے۔

روشن :- کہاں سے؟

مراد :- خیر

روشن :- چاچے حلوائی نے بھی کہا را بیاں نے بھی صلا دی کہ تم خود پلے جاؤ۔

وہاں بڑے سکول ہیں وہ چوکیدار تو آنے ہی نہیں دیتا تھا۔ بڑی مشکل

سے ...

روشن :- ابا میں خود آجاتا تم نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔

گنتو کے دوران ڈیننگ روم میں بیٹھے والدین بڑی دلچسپی سے روشن کو دیکھتے ہیں۔

مراد قدرے شرمندہ ہے۔

روشن :- دیکھ میں تیرے لیے پنچیری بنوا کر لایا ہوں چاچے حلوائی سے۔ پاروں

مغز ہیں اس میں دماغ چمک اٹھتا ہے ایک پتی سے۔

مراد :- (پوٹلی لیتا ہے) ٹھیک ہے ابا۔

روشن :- توجلدی میں ہے کیا؟

مراد :- وہ ابا دراصل ایڈمنسٹریشن کلاس میں تھا کہ آپ کا پیغام پہنچا میں...

روشن :- اچھا؟ چہرہ اسی تو کہتا تھا کہ کھانا کھا رہے ہیں۔ خیر تجھے ان پانی تو

ٹھیک دیتے ہیں ناں یہاں۔

مراد :- ہاں ہاں ابا۔ کیا کرتے رہتے ہو اب سارا دن۔

روشن :- کھونٹی پرٹنگی مشک سے کہتا ہوتا ہوں کہ بی بی اب ہم نے تجھے طلاق

دے ڈالی۔ اب ہم ایک بڑے انسر کے باپ ہیں کوئی مائٹکی نہیں اور

ہاں تجھ سے ایک بات کرنی تھی تو یہاں سے فارغ ہو جائے نا تو

را بیاں ...

مُراد :- ابا تو چل میں شام کو آؤں گا پھر بات کریں گے۔ ٹھیک ہے۔
روشن :- ٹھیک ہے۔

اُس کا ماتھا چومتا ہے

پر آنا ضرور۔ پاپا حلوائی بھی۔

مُراد :- اچھا اچھا ابا۔

روشن جاتا ہے۔ مُراد والدین اور لڑکے کو دیکھتا ہے جو اسے دیکھ رہے ہیں۔
اور باہر نکل جاتا ہے۔

———— CUT ————

روشن چارپائی پر لیٹا انتظار کر رہا ہے مگر مُراد نہیں آتا۔

———— CUT ————

لڑکے کلاس روم سے باہر نکل رہے ہیں۔ مُراد اپنے دوست جلال کے ساتھ
باہر آتا ہے۔

جلال :- شکر ہے۔ یہ دو تین دن تو میں مکمل طور پر RELAX کروں گا۔ تم
کتنے بچے جا رہے ہو۔

مُراد :- میں نہیں جا رہا۔

جلال :- ویک اینڈ پر گھر نہیں جا رہے۔ کیوں؟

مُراد :- یار وہ سول لار کے کچھ نوٹس تیار کرنے ہیں اور ویسے بھی طبیعت
کچھ ٹھیک نہیں۔

جلال :- اس اکیڈمی کا میس اتنا لاؤزی ہے کہ تو بہ۔ بھٹیاری خانہ ہے بالکل۔

یار گھر جاؤ۔ گھر کا کھانا کھاؤ اور لان میں گرسی ڈال کر RELAX کرو دو
دن۔ بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔

مُراد :- اور سول لار کے نوٹس

جلال :- کوئی اور پکرتو نہیں ہے؟ ذرا بچ کر رہا کرو۔ انڈر ٹریننگ آفیسر تو بڑے فیورٹ ٹارگٹ ہوتے ہیں لڑکیوں کی ماڈرن کے خیراب دور و ز بعد ملاقات ہوگی۔ تم اپنے کمرے میں ہی ہو گے ناں۔ ہو سکتا ہے فون کروں کسی وقت۔ خدا حافظ۔

مُراد :- خدا حافظ۔ انجائے پور سیلف۔

جلال :- آئی ول

———— CUT ————

مُراد اپنے کمرے میں اکیلا لیٹا ہوا ہے۔ ادھر روشن بھی کوٹھڑی میں لیٹا ہوا ہے۔ دونوں کے دو تین کٹ۔ پھر کیمرو مُراد پر آتا ہے۔ فون کی گھنٹی ادا ویپ ہوتی ہے۔ مُراد فون اٹھاتا ہے۔

مُراد :- ہیلو جلال۔ اوسے یہ تم۔ RELAX کر رہے ہو۔

———— CUT ————

جلال فون پر اس کے قریب ایک معزز بنی سنو سی۔ باوقار۔ PUSH خاتون کھڑی ہیں۔

جلال :- بھئی مجھے کیا پتہ تھا کہ گھر پہنچوں گا تو کراچی سے آتی ڈیڑھ نازل ہو جائیں گی۔ ایک لمحے کے لیے چین نہیں لینے دیتیں۔ اب کہہ رہی ہیں کہ اکیڈمی میں ٹریننگ لینے والے تمام دوستوں کو فوراً اشام کے کھانے پر بلاؤ۔ میں انہیں بلنا چاہتی ہوں۔ سات بجے پہنچ جاؤ۔ پہنچ جاؤ گے ناں!

———— CUT ————

ایک اور نمبر ڈائل کرتا ہے۔

جلال :- ڈسٹرب تو نہیں کیا تمہیں انور۔ آج شام کیا کر رہے ہو؟ نہیں اس
ہنستا ہے کے علاوہ۔ تو پھر شام سات بجے ہمارے ہاں آ جاؤ۔ میری آنٹی آئی ہوئی
ہیں کراچی سے۔ میرے دوستوں سے ملنا چاہتی ہیں۔ سات بجے پہنچ جانا۔

———— CUT ————

جلال :- سات بجے۔

———— CUT ————

جلال :- سات بجے۔

———— CUT ————

جلال :- پورے سات بجے۔

کلاک پر سات بجے ہیں۔

ایک وسیع و عریض ڈرائیونگ روم۔ جو امارت کے ساتھ ساتھ عمدہ ذوق کا بھی
پتہ دیتا ہے۔ صوفوں پر وہی نوجوان بیٹے ہیں جو اکیڈمی کے کلاس روم میں دکھائے
جا چکے ہیں۔ جلال کے ماں باپ بھی ہیں۔ مُراد داخل ہوتا ہے۔ قدرے گھبرا یا ہوا۔
ڈرائیونگ روم اور اس کے ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ جلال اٹھ کر ملتا ہے۔
جلال :- یاہ آئی ایم گریٹ فُل۔ سول لار کے نوٹس تو جنتے ہی رہیں گے۔
ادھر آ جاؤ۔

مُراد سب سے سلام دعا کرتے بیٹھ جاتا ہے۔ ایک ملازم ٹرے میں مشروب لیے
آتا ہے۔

ملازم :- صاحب

مُراد ہاتھ بڑھاتا ہے تو گلاس جس میں کوکا کولا ہے۔ اُسے پانی کا گلاس دکھائی

دیتا ہے۔ انکار کر دیتا ہے۔

ڈرائیونگ روم میں آنٹی داخل ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی ثروت ہے۔
جدید فیشن کی مگر SOBER اور پڑھی لکھی لڑکی۔ جلال آگے بڑھتا ہے۔ سب
لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جلال تعارف کر رہا ہے۔

جلال :- یہ میرے بہت ہی ڈیر دوست انور۔ اور یہ میری ڈرائیونگ آنٹی۔
آنٹی :- جلال نے مجھے آپ کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔ آپ بھی انڈر ڈرائیونگ
ہیں ناں؟

انور :- جی۔

آنٹی :- ہاؤ ونڈر فل

جلال :- اور یہ شاہد ہے آنٹی۔

آنٹی :- ہیلو شاہد بیٹے۔ جلال نے مجھے آپ کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔
بہت خوشی ہوئی۔

جلال :- ان کا نام مراد ہے۔ میرے روم میٹ ہیں اکیڈمی میں۔

آنٹی :- ہاؤ ایکساٹینگ۔ جلال نے مجھے آپ کے بارے میں..... جلال تم
نے ان کے بارے میں مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔ بیٹے آپ کے ابو کیا کرتے ہیں؟
مراد :- جی وہ..... دراصل میرے ابو.....

آنٹی :- ہاؤ ویری سیڈ۔ آئی ایم سوری۔ آپ بالکل اکیلے ہیں۔

بہت دلچسپی لیتی ہے۔

جلال :- اور یہ آفتاب ہے بہت ہی پیارا دوست۔

کیمرہ مراد پر ہی رہتا ہے۔ ثروت ایک آدھ مرتبہ مڑ کر دیکھتی ہے۔ تعارف
سے فارغ ہو کر آنٹی کہتی ہے۔

آنٹی :- میرے لیے یہ کتنی قابلِ فخر بات ہے کہ اتنے جینس اور اتنے انٹیبلینٹ

لڑکے صرف مجھے ملنے آئے ہیں، پلیز آپ بیٹھئے۔

مُراد ایک مرتبہ ثروت کی جانب دیکھتا ہے تو وہ اسی کی جانب دیکھ رہی ہے۔ آنٹی

دوسرے لڑکوں کے ساتھ گفتگو کرتی ہے پھر مُراد کو آواز دیتی ہے۔

آنٹی :- مراد بیٹے... آئیں ناں ہمارے پاس بھی تو بیٹھیں۔

اسے اپنے اور ثروت کے درمیان بٹھا دیتی ہے۔

جلال نے مجھے آپ کے بارے میں اتنا کچھ بتایا ہے کہ... بہت جی

چاہ رہا تھا تم سے ملنے۔ تو کب تک ختم ہو رہی ہے آپ کی ٹریننگ؟

مُراد :- صرف دو ہفتے اور ہمیں پھر پوسٹنگ ہو جائے گی۔

آنٹی :- پہلی پوسٹنگ کے دوران تو لڑکے بے حد اپ سیٹ رہتے ہیں۔

اپ سیٹ اور LONELY۔ ثروت۔ بھئی کوئی بات ہی کر دُراد

بیٹھے سے۔

ثروت اس کی طرف دیکھ کر کوئی بات کرتی ہے۔

FADE OUT

مہمانِ رخصت ہو رہے ہیں۔ دروازے پر آنٹی ثروت اور جلال کھڑے ہیں۔

مُراد :- اچھا جلال... آنٹی...

آنٹی :- ہاؤ سوٹ آف یو ٹو کال می آنٹی۔

مُراد :- بہت بہت شکریہ

آنٹی :- میں اور ثروت ابھی چند روزہ ہیں ہیں، آپ آیا کریں نا۔ کل

شام آپ کیا کر رہے ہیں۔

CUT

مراد اپنے کمرے میں آتا ہے۔ بستر پر لیٹتا ہے۔ اس کے کلوز پر رابیاں جھاڑو دیتی
ہوتی کٹ ہوتی ہے۔ اور پھر ثروت کا لونگ شاٹ کلوز میں آ جاتا ہے۔ یہاں
تک کہ رابیاں پر مکمل طور پر حاوی ہو جاتا ہے۔

CUT

روشن حلوائی کے پاس بیٹھا دودھ پی رہا ہے۔

حلوائی :- مراد نظر نہیں آیا بہت دنوں سے!

روشن :- نوکری پر جانے سے پہلے آیا تھا ایک شام۔ دانے پانی کے لیے پیسے
بھی دے گیا اور یہ کبیل بھی۔

حلوائی :- نوکری پر چلا گیا ہے؟ تمہیں ساتھ کیوں نہیں لے گیا روشن؟

روشن :- اسے سرکار کی طرف سے بنگلہ ملا ہے ناں وہاں ابھی کچھ بند و بست
نہیں ہوا کھانے پکانے کا۔ جو نہی کوئی انتظام ہوا مجھے لے جائے گا۔

اور پھر مجھے خرچہ جو دے گیا ہے۔

حلوائی :- تیری آزمائش کے دن تو ختم ہوئے۔

روشن :- رب سچے نے ختم کر دیے... پر چاچے یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مجھ

سے بیٹھا نہیں جاتا۔ مراد سے وعدہ کر چکا ہوں کہ اب مشک کو ہاتھ

نہیں لگاؤں گا ورنہ....

حلوائی :- ورنہ کیا؟

روشن :- ورنہ تجھے ہی آٹھ دس مشکیں دے کر شوق پورا کر لیتا۔

حلوائی :- تو اچھا لگتا ہے اب پانی بھرتا ہوا۔ اتنے بڑے افسر کا باپ ہو کر!

روشن :- اچھا تو میں ویسے ہی لگتا ہوں لیکن خیر اولاد کی بات تو مانی ہی پڑتی ہے۔

CUT

رابیاں کا گھر۔

رابیاں :- دچائے کا کپ لاتی ہے، لے چا چا۔ میٹھا کم ہو تو اور لے لینا... وہ مراد...
 روشن :- راضی خوشی ہے۔ اس کے انسر بہت خوش ہیں اس کے کام سے۔ خط میں یہی
 لکھا تھا۔

رابیاں :- خط آیا ہے؟

روشن :- ہاں اس ماہ کا خرچہ بھیجا ہے تو اس کے ساتھ ایک چٹھی بھی تھی۔

رابیاں :- اور کیا لکھا تھا؟

روشن :- تیرے بارے میں کچھ نہیں لکھا تھا۔ کیسے لکھے؟ بعد میں لکھے گا...

رابیاں :- کہاں پر ہے ان دنوں؟

روشن :- ملتان میں۔ اسی لیے تو لے کر نہیں گیا، کہتا ہے وہاں گرمی بہت ہے ان دنوں۔

بہت خیال رکھتا ہے میرا۔ خیال تو بہت رکھتا ہے مگر...

رابیاں :- خاک خیال رکھتا ہے۔ دو پارہ ماہ بعد رات کے اندھیرے میں چوردوں کی

طرح آتا ہے اور تجھے خیرات دے کر چلا جاتا ہے۔

روشن :- بیٹا ہے میرا!

رابیاں :- بیٹا ہے تو پاس کیوں نہیں رکھتا۔

روشن :- (ڈاٹھ کر) میں تم پر بوجھ ہوں تو مت خیال رکھا کر میرا... یہ باپ بیٹے

کا معاملہ ہے۔ وہ خود در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ آج یہاں کل وہاں

مجھے کہاں گھسیٹتا پھرے... میرا بیٹا ہے۔ لے اپنی چائے۔

— CUT —

حلوانی کی دکان پر بیٹھا ہے۔ ڈاکیر آتا ہے۔ پیسے دیتا ہے۔ اپنے کمرے میں آتا ہے مشک

کو دیکھتا ہے۔ مراد کے پرانے بستے کو گلے لگا کر سوتا ہے۔ پانی پیتا ہے۔ اس طرح آٹھ

برس بیت جاتے ہیں . بہت بوڑھا ہو چکا ہے .

CUT

ڈاکیہ آتا ہے . روشن کی کوٹھڑی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے . جواب نہیں ملتا . آواز دیتا ہے .

بابا روشن - بابا روشن

اندر سے ہائے ہائے کی آواز آتی ہے . تالا ٹوڑ کر اندر جاتا ہے . روشن بخار میں پھینک رہا ہے . نیم بے ہوش ہے . ڈاکیہ جا کر حلوائی کو بلاتا ہے . سلوائی دیکھ کر رابیاں کو بلاتا ہے . جس کی گود میں اب ایک بچہ ہے .

حلوائی : پپر سون کہہ گیا تھا مراد نے بلایا ہے . دو تین روز ہیں آ جاؤں گا . مجھے

کیا پتہ تھا باہر سے تالا ڈلو کر اندر لیٹا ہوا ہے . روشن . روشن دین .

روشن : ارے تم پاپے ؟ لو بھئی میں تو ابھی ابھی واپس آیا ہوں . بڑی خدمت

کی مراد نے میری . اس کی بیوی نے . . . تمہیں پتہ ہے نا اس نے

شادی کر لی ہے . بہت رئیس خاندان ہیں . . . مجھے بھی بلایا تھا . ہاں

ہاں گیا نہیں تھا ایک روز نئے کپڑے پہن کر . میری ہونے بستر پر بٹھا کر

میری خدمت کی . اٹھنے ہی نہیں دیا . . . اور دو بچے بھی ہیں ان کے . . . میرا

پوتا اور پوتی تو مجھے آنے ہی نہیں دیتے تھے . ان کی تصویر دیکھی ہے تم نے مجھے

بھیجی تھی مراد نے . تصویریں بھیجتا رہتا ہے . بہت تارہتا ہے .

رابیاں : چا چا روشن تیری طبیعت ٹھیک نہیں . میرے ساتھ چل .

روشن : تو بچوں کی دیکھ بھال کرے گی یا میری ؟ تیرا گھر والا واپس نہیں آیا

دوبئی سے .

رابیاں : اگلے ماہ آئے گا . میرے ساتھ چل چا پاپا .

روشن :- تو مجھے پانی پلا دے... میں ٹھیک ہو جاؤں گا، خوراک بہت کھائی ناں
میں نے وہاں گوشت بھون بھون کر کھلاتی رہی میری بہو، اس لیے...
پاک پانیوں کی کمائی سے پالا ہے میں نے مراد کو... اس لیے تو خدمت کرتا ہے،
آنے ہی نہیں دیتا تھا، میں تو زبردستی آ گیا، تمہیں یقین نہیں ہے؟ نہیں
ہے؟ تو نہ کرو یقین... نہ کرو۔

رابیاں اور چاچا حلوائی ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہیں۔

———— CUT ————

مراد کا ڈرائیونگ روم، چاچا حلوائی اور رابیاں سگڑے ہوئے بیٹھے ہیں، ہم گفتگو کے
درمیان پہنچتے ہیں۔

مراد :- چاچا مجھے تو انکار نہیں ہے... ابا جان خود ہی۔

رابیاں :- انکار نہیں تو انہیں جا کر لے آ...۔

مراد :- میں نے تو ان کی خوشی کی خاطر... میں ان کو باقاعدہ خرچہ بھیجتا ہوں۔

گر میوں سردیوں کے کپڑے بھیجتا ہوں، جب بھی فرصت ملے، مل آتا ہوں۔

حلوائی :- یہ سب کچھ اُسے پہلے ہی ملتا تھا مراد... اسے اب آرام کی ضرورت ہے۔

مراد :- میں نے کہا ناں مجھے انکار نہیں... رابیاں سنا ہے تیری شادی
ہو گئی ہے۔

رابیاں :- اور سنا ہے تو نے شادی کر لی ہے...۔

مراد :- دکھیا، ہو کر، بہت عرصہ ہو گیا، اب تو ماشار اللہ دوپٹے بھی ہیں۔

حلوائی :- کہاں ہیں؟

مراد :- سکول گئے ہیں۔

اتنے میں ثروت ڈرائیونگ روم میں داخل ہوتی ہے اور پھر کچھ کہے بغیر دوسرے

کمرے میں چلی جاتی ہے۔

رابیاں:- تیری بیوی ہے؟

مراد:- ہاں اس کی صحت خراب ہے؟

علوانی:- تو پھر کب؟

مراد:- میں آج شام آؤں گا...

رابیاں اور علوانی خوشی خوشی اٹھ کر جاتے ہیں۔ ثروت آتی ہے۔

ثروت:- یہ کون تھے؟

مراد:- میرے رشتے دار تھے۔

ثروت:- کوئی سفارش لے کر آئے تھے...

مراد:- ہاں...

ثروت:- تو مان لی...

مراد:- ہاں

———— CUT ————

رات کو مراد کو ٹھٹھری میں پہنچتا ہے۔ اور روشن کو ساتھ لے کر گھر آتا ہے۔ اسے سہارا دیتا ہے۔ مگر وہ بیٹے کو دیکھ کر بالکل ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔ ایک بیڈروم میں لے جاتا ہے۔ روشن میز پر پڑے گلاس کو اٹھاتا ہے۔ ادھر ادھر پانی کے لیے نظریں دوڑاتا ہے۔ اور پھر مسکراتا ہوا سو جاتا ہے۔

———— CUT ————

روشن لان میں کھڑا ہے۔ ہاتھ میں رٹبر کی نالی ہے جس سے وہ پودوں کو پانی دے رہا ہے۔ کونٹھی کے گیٹ سے دو بیگمات اندر داخل ہوتی ہیں۔
بیگم :- کیوں مالی بیگم صاحبہ گھر پر ہیں....

روشن :- دُبرانناتے ہوئے، دیکھ لو پا کر...

وہ اندر جاتی ہیں اور ساتھ ہی ایک نوکر دونوں بچوں کو لے کر باہر نکلتا ہے۔

روشن :- کہاں جا رہے ہیں بیٹے؟

بچے :- دادا جان ہم سکول جا رہے ہیں۔

روشن :- سکول؟ دفلیش بیک مراد کو سکول لے جا رہا ہے، بیٹی تم کوئی اور کام

کرو... بیٹوں کو سکول میں لے کر جاؤں گا...

بچے بہت خوش ہو کر ساتھ چل دیتے ہیں۔

———— CUT ————

ڈسٹینگ روم میں بیگمات بیٹھی ہیں۔

بیگم :- تو مینا بازار کا پروگرام تو طے ہو گیا۔

بیگم :- بیگم مراد باہر کے ملکوں میں تو بوڑھے اور معذور لوگوں کے لیے —

OLD PEOPLE'S HOME ہوتے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں انہیں

پوچھنے والا کوئی نہیں ہوتا...

شروت :- اس مینا بازار کی آمدنی سے ہم کم از کم بوڑھوں کے لیے ایک گھر کی

بنیادیں تو رکھ سکیں گے۔

بیگم :- سچ آپ سموسوں کے سٹال پر کھڑی ہو جائیں تو ساا شہرا منڈ پڑے...

اور ہاں یہ آپ کا نیا مالی بہت بد تمیزی سے بولتا ہے۔

نوکر اندر داخل ہوتا ہے۔

شروت :- اتنی جلدی چھوڑ آئے؟

نوکر :- وہ باباجی کے ساتھ چلے گئے ہیں۔

شروت کچھ شرمندہ ہو کر ان کی طرف دیکھتی ہے۔

———— CUT ————

مونتاز۔ روشن بچوں کو سکول چھوڑنے جا رہا ہے۔ لان میں کھیل رہا ہے۔ سکول سے باہر چھاڑی والے سے مٹھائی لے کر دے رہا ہے۔ ڈرائینگ روم میں گھوڑا بنا رہا ہے۔ ثروت نہایت ناپسندیدگی سے دیکھ رہی ہے۔ مراد لا تعلق ہے۔

CUT

ڈرائینگ روم میں

ثروت :- پھر میں چلی جاتی ہوں مٹی کے پاس اور تم سنبھا لو اپنے خاندان کو۔
مراد :- لیکن تمہیں شکایت کیا ہے ان سے۔

ثروت :- ظاہر ہے وہ مجھے مارتے تو نہیں۔ مارتے تو دوسرے لوگ ہیں۔
مراد :- وہ میرے ابا ہیں۔

ثروت :- اور میں ... جب سے آئے ہیں بچے ان کو چھٹے رہتے ہیں، کوئی ایسا غیر گھر میں آجائے اس کے سامنے اپنے شاندار ماضی کے قصے بیان کرنے لگتے ہیں۔ میں دو من کی مشک اٹھا کر اتنے پھیرے لگا سکتا تھا۔ اتنی سیڑھیاں بے تکان چڑھا جاتا تھا ... جی مینا بازار میں بیگم آفتاب نے پتہ ہے کیا کہا؟ بیگم مراد آپ تو کولڈ ڈرنکس والے سٹال پر کھڑی ہو جائیں۔ سنا ہے آپ کا آباتی پیشہ ہے۔

مراد :- میں اتنے برس تو AVOID کرنا رہا البتہ ... گھر محلے والے ...
ثروت :- محلے والوں کے ساتھ ہم نے کوئی رشتے کرنے ہیں ... ان کا کیا حق ہے کہ ہمارے ذاتی معاملات میں مداخلت کریں ... ہم با نانا فنگی سے خرچ دیتے رہے ہیں۔

روشن بچوں کے ساتھ سکول سے واپس آتا ہے۔

روشن :- آج بڑا سٹیفہ ہوا ... سکول میں ایک مائٹکی کو دیکھ کر بیٹیا پوچھنے لگا۔ دادا جان

یہ آدمی کس طرح اتنا بوجھاٹھا تھا ہے تو میں نے بتایا کہ بیٹے.....

مراد :- (دستی سے) ابا جان آپ ذرا بیٹھ جائیے۔ (بچوں سے) تم جا کر کپن میں کھانا

کھاؤ۔ ابا جان شاید چند دنوں میں میری ٹرانسفر ہو جائے۔ آپ ہمارے

ساتھ کہاں مارے مارے پھریں گے... میں... میں آپ کو خرچہ بھیجتا رہوں

گا... بعد میں...

روشن :- لیکن مراد ابھی تو پچھلے ماہ...

ثروت :- انہوں نے کہا ہے کہ خرچہ ملتا رہے گا۔

روشن :- (سمجھتے ہوئے) مراد بیٹے تمہارے اندر کچا کوٹھا ڈھے گیا ہے پانی سے

دور رہ کر۔ اور اب وہاں ایک پکا مکان بن گیا ہے۔ بہت منسب و طائنا کہ خلوص

اور محبت کی بارش اس کے اندر نہیں جاسکتی۔ بس دیواروں سے سر ٹکرا کر

بہہ جاتی ہے... میں ذرا بچوں سے مل لوں؟

ثروت :- وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ ڈسٹرب ہوں گے۔

چلا جاتا ہے۔

CUT

روشن کوٹھڑی میں لیٹا ہے۔ بچوں کی آوازیں اور ویپ ہوتی ہیں۔ دادا جان —

دادا جان — دادا جان "بے چین ہو کر اٹھتا ہے۔ حلوائی کے پاس جاتا ہے۔

روشن :- چاچے تو مجھے دو سپر لڈا اور برنی ادھا دے سکتا ہے؟

حلوائی :- (دیران ہو کر) روشن... تو ویسے ہی لے جا... مگر گرے گا کیا؟

روشن :- اپنی پیاس بجھاؤں گا۔

CUT

بچوں کا سکول۔ روشن ٹھہانی کا چھا بانگائے بیٹھا ہے۔ چپٹی ہوتی ہے، تپتے باہر نکلتے

ہیں۔ روشن سے مٹھائی خریدنا چاہتے ہیں مگر وہ سب کوانسار کرتا چلا جاتا ہے۔ پھر دونوں بچے باہر نکلے ہیں۔

روشن :- میرے بچو۔ بیٹے۔ بیٹی۔ ... لڈو ایک ایک آنے۔ لڈو ایک ایک آنے۔ بچے آکر روشن سے لپٹ جلتے ہیں۔ وہ آبدیدہ ہو کر لڈو ایک ایک آنے پکارتا ہے اور ان کو کھلاتا ہے۔

———— CUT ————

نوکر :- جی میں بچوں کو لے آؤں؟

ثروت :- لے آؤ۔۔۔ اور سنو۔۔۔ پہلے دو بچے گھر آجاتے تھے اب ڈھائی بجے پہنچتے ہیں۔ سکول ٹائم زیادہ ہو گیا ہے کیا؟

نوکر :- جی نہیں۔۔۔ دراصل۔۔۔ بس جی ویسے ہی دیر ہو جاتی ہے۔ بس جی ویسے ہی۔۔۔

باہر جاتا ہے۔ ثروت بیگ اٹھا کر پیچھے جاتی ہے۔

———— CUT ————

سکول کا گیٹ خالی ہے۔ صرف روشن کا خوانچہ ہے۔ دونوں بچے اس کے قریب بیٹھ کر گپیں ہانک رہے ہیں۔ نوکر ایک طرف ہو کر بیٹھا ہے۔ ثروت دور سے دیکھتی ہے پھر گیٹ کے اندر جاتا ہے۔

ثروت :- پرنسپل صاحبہ ابھی ہیں یا چلے گئے؟

چہرہ اسی :- ابھی بیٹھے ہیں بیگم صاحبہ۔

———— CUT ————

پرنسپل کا کمرہ۔

ثروت :- آپ کو فوری طور پر کوئی بندوبست کرنا چاہیے۔

پرنسپل :- آپ نے بہت ہی اچھا کیا بیگم مراد... میں بے حد شرمندہ ہوں کہ میرے سکول میں...

ثروت :- آپ کا کوئی تصور نہیں۔ یہ شخص پہلے ہمارے ہاں ملازم تھا لیکن مجھے چند ہی دنوں میں معلوم ہو گیا کہ یہ دراصل کوئی عادی قسم کا مجرم ہے۔ اور ہمارے بچوں کو اغوار کرنا چاہتا ہے۔ میں نے نکال دیا تو اب اس مقصد کی خاطر گیٹ کے باہر چھپا بڑی لگا کر بیٹھ گیا ہے، میں دیکھ کر آئی ہوں۔ بچے اس کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔

پرنسپل :- میں ابھی بندوبست کرتی ہوں۔

دو دنوں باہر نکلتے ہیں۔ پرنسپل چند ملازموں کو ہدایات دیتا ہے۔ ثروت آگے بڑھ کر بچوں کو گھسیٹتی ہوئی لے جاتی ہے وہ "دادا جان دادا جان" کا شور مچاتے ہیں۔ روشن کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا ہو رہا ہے۔ ملازم اس کا خواہناچہ الٹ دیتے ہیں اور دھکے مارتے ہوئے نکال دیتے ہیں۔

CUT

اپنے کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ جوتی اتارتا ہے۔ پانی کے گلاس اٹھاتا ہے۔ سب گھڑے جو پہلے بھرے ہوئے تھے اب خالی ہیں۔ مشک کھوٹی سے اتار کر اسے فرش پر بچھپاتا ہے۔
روشن :- بسم اللہ الرحمن الرحیم... اے رب رحیم کی طرح آج بھی تجھ سے روزی کا طلب گار ہوں۔ اسے ہلکا رکھنا۔ میرا بوجھ کم کرنا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
مشک اٹھا کر کندھے پر ڈالتا ہے۔

اختتام

○ مک

پہلا منظر

شام کا وقت قریب ہے۔

(ایک چھوٹی کار ایک کچے رستے پر دُھول اڑاتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ کار کو فضل خاں چلا رہا ہے جو درمیانی عمر کا شخص ہے سوٹ پہنے ہوئے۔ اگلی نشست پر اس کی بیٹی مریم بیٹھی ہے۔ ٹیپ ریکارڈ پر تازہ ترین انگریزی نغمہ چل رہے ہیں جنہیں وہ غور سے سُنتی ہے اور سر ہلاتی ہے۔ پچھلی نشست پر اُس کا بھائی عارف ہے وہ بھی موسیقی سن رہا ہے۔ اُس پاس کے جو منظر گزرتے ہیں وہ دیہاتی زندگی کے ہیں۔ کوئی گڈ جا رہی ہے۔ بیل گاڑی۔ مویشی۔ سرسوں کے کھیت۔ کسان گھروں کو لوٹ رہے ہیں۔ ان کے مویشیوں کے گلے میں بندھی گھنٹیوں کی آواز وغیرہ)

مریم :- ابو ابھی آپ کا گاؤں کتنی دُور ہے ؟

ابو :- بس ہم پہنچنے ہی والے ہیں۔ اُدھر وہ بڑے بندر کے پیرے... جنگل

کے ساتھ (مسکرا کر) میرا خیال ہے کہ وہ والا گاؤں ہی ہے۔

عارف :- آہ آپ اپنے گاؤں کا راستہ بھول رہے ہیں ابو۔

ابو :- نہیں۔ لیکن مجھے ادھر آئے ہوئے عرصہ بھی تو بہت بیت چکا۔ شاید بارہ برس پہلے آیا تھا۔۔۔ ہاں راستے تو چلنے سے یاد رہتے ہیں۔ ہم چلے نہیں سو بھول رہے ہیں۔

مریم :- کیا جنگل بہت قریب ہے۔ (خوفزدہ)

ابو :- تقریباً دو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

مریم :- اور اس میں جانور بھی ہوں گے۔

عارف :- ہاں۔ زرا نے اور شتر مرغ تو عام پائے جاتے ہیں۔ دیکھو سٹو پیڈ صاف

نظر آرہا ہے کہ شیٹم اور سفیدے کے چند درخت ہیں جنہیں ابورو مانگ

ہو کر جنگل کہہ رہے ہیں۔ وہاں زیادہ سے زیادہ خرگوش ہو سکتے ہیں۔

ابو :- نہیں۔ اس میں جانور ہوتے ہیں۔ جو رات کے اندھیرے میں ہماری

(کیسٹ کی طرف) فصلوں کو اُجاڑ جاتے ہیں۔ اسے تو ذرا آہستہ کرو۔

مریم :- ہم یہاں صرف دو دن ہی ٹھہریں گے تاں ابو؟

ابو :- ہاں۔ بس ہم جس کام سے آئے ہیں وہ ہو جائے تو پھر یہاں سے سیدھے

مری اور تمہی اگلی سونوال دیکھنے کے لیے ...

مریم :- ویسے یہ آپ کا گاؤں کچھ گندہ تو ہو گا؟ خیر مجبوری ہے۔

(کار گاؤں کے قریب۔ شام ہو رہی ہے۔ گاؤں کے اندر داخل ہوتی ہے۔ ایک چوڑی

ادرنچی گلی۔ کار کھڑی ہوتی ہے۔ کار کے پیچھے بھاگتے والے بچے گرد ہو جاتے ہیں۔

چند عورتیں اپنے بچے اٹھائے دروازوں میں کھڑی ہیں۔ تینوں باہر نکلتے ہیں۔

عارف اور مریم کے چہرے پر ناگواری۔ فضل خان کچھ شرمندہ۔ بچے قریب آ کر

ہنس رہے ہیں۔ ایک دو کی ناکیں بہ رہی ہیں۔ مریم انہیں دیکھ کر اُبکائی

(بیتی سے)

مریم :- یہ کون ہیں؟

عارف :- یقیناً ہمارے کزنز۔ ہیلو کزن۔

ایک بچے کے ساتھ ہاتھ ملاتا ہے۔ لیکن نفرت کے ساتھ۔

ہاؤڈو یوڈو (بچہ ہنستا ہے)

ابو :- پہلے تو یہاں میدان ہوتا تھا۔ اب مکان بن گئے ہیں۔ میرا خیال ہے یہی

گلی ہے۔

مریم :- (ایک بچے سے) اوائے ہاتھ مت لگاؤ ورنڈ شیلڈ کو۔

عارف :- اوائے باز آتے ہو کہ نہیں۔

مریم :- وئے آر سوڈرٹی۔ ہاؤ کین وئے بی سوڈرٹی؟

عارف :- (مسکرا کر) یہ تو کزنز ہیں۔

دور سے زبیدہ آتی ہے چودہ پنڈرہ برس کی لڑکی۔ تیل سے چپڑے ہوئے بال

اور گندے کپڑے۔ ہر وقت دانت باہر رہتے ہیں۔ ہنستی رہتی ہے اور آستھی

آپاں جی آپاں جی کہتے ہوئے مریم سے چمٹ جاتی ہے۔

مریم زبیدہ کو پرے دھکیلتے ہوئے۔ اگرچہ وہ پھرا کر چمٹنے کی کوشش کرتی ہے۔

مریم :- کون ہو تم۔ کون ہو۔

زبیدہ :- میں بیدی ہوں، آپاں جی۔ سلام بھابھی

عارف :- واہلیکم السلام۔ جیتی رہو کزن بیدی۔

ابو :- تم بھائی فیض کی بیٹی تو نہیں؟

زبیدہ :- سلام اے چاچا جی۔

ابو کے ساتھ بھی چمٹنے کی کوشش کرتی ہے۔

میں اُپلے تھا پ رہی تھی تو ایک بال نے بتایا کہ بیدی تمہارے بہناں

بھائی آئے ہوئے ہیں شہر سے اور ساتھ میں چاچا جی بھی۔ آہو۔ آؤ

ناں گھر چلو۔ دے...

ایک بچے کو کار سے گھسیٹ کر الگ کرتی ہے۔

پہراں ہو جاؤ۔ میرے بھاجی کی گڈی ہے۔ چلو بھاجی۔ (عارف منہ بتاتا

ہے) آؤ آپاں جی (مریم منہ بتاتی ہے) چلو چاچا جی (ابو مسکراتا ہے)

تینوں گلیوں میں چلتے جا رہے ہیں۔ اب وہ اکیلے رہ گئے ہیں۔ بچے پیچھے رہ گئے

ہیں۔ زبیدہ دو مرتبہ گلی میں کھڑی ہو کر کسی عورت کو مخاطب کر کے کہتی ہے۔

زبیدہ :- میرے چاچا جی آئے ہیں۔ ساتھ بھاجی اور آپاں جی بھی ہیں۔

آہو۔

ایک دروازے کے قریب رکتے ہیں۔ زبیدہ دروازے کو دھکیل کر کھولتی ہے۔

اور چاروں اندر داخل ہو جاتے ہیں۔

CUT

ایک پرانا کچا مکان۔ دو دروازے۔ کچی سیڑھیاں جو کوٹھے پر جا رہی ہیں۔ سیڑھیوں

کے ساتھ تندوری۔ قریب ہی ایک ہینڈ پمپ۔ چولہے اور ایک درخت بیری

کا۔ اس مکان کے ساتھ مشترکہ صحن والا ایک کمرہ ہے۔ درمیان میں چھوٹی سی

دیوار ہے جسے پھلانگا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے زبیدہ داخل ہوتی ہے۔ باقی

تینوں اندر آتے ہیں، تو اس مکان کو دیکھتے ہیں، جو تقریباً ڈھے رہا ہے پھانا

ہے اور کچا ہے۔

زبیدہ :- اماں۔ نہیں اماں

چاچا جنتے نل کے پاس برتن مانجھتی ہوئی اٹھتی ہے۔ ہاتھوں میں راکھ لگی ہے

جو دھوئی ہے جلدی جلدی۔

چاچی جنتے :- بسم اللہ

تینوں کی طرف آتی ہے۔ مریم اور عارف کے سر پر پیار دیتی ہے۔ منہ چومتی ہے۔ پھر
یکدم سیدھی کھڑی ہو کر ایک لمبا گھونگھٹ نکال کر آہستہ آہستہ چلتی فضل خاں
کے قریب جا کھڑی ہوتی ہے۔

چاچی :- سلام بھائی جی۔ (سر آگے کرتی ہے)
فضل :- وا علیکم السلام۔

چاچی :- سلام بھائی جی۔ (سر کو آگے کرتی ہے)
فضل :- اچھا اچھا۔ (پیار دیتا ہے)

چاچی :- نہیں بیدی جلدی کر جلدی۔ اندر سے نوار والی چار پائی لا میرے
بھائی جی کے بے۔

بیدی بھاگتی ہوئی اندر جاتی ہے، ساتھ ہی چاچی بھی جاتی ہے۔

مریم :- (مکان دیکھتے ہوئے) WHAT A PLACE
عارف :- A PROPER RUIN

بیدی چار پائی لاتی ہے۔ چاچی ایک گروشیے کے کور والی کرسی لاتی ہے۔

بیدی :- بیٹھو بھاجی... آپاں جی۔

فضل خاں کرسی پر بیٹھتا ہے۔

فضل :- بھائی فیض کہاں ہے ؟

چاچی :- وہ تو ابھی کنزیرس پر ہے (مریم کی طرف دیکھ کر) اور روشنا بھی اس کے

ساتھ ہے۔ ابھی آتے ہوں گے... میں بلا لاؤں۔

فضل :- نہیں بہن رہنے دو۔

چاچی :- آج یہ چاند کس طرح چڑھ گیا۔ کیسے خیال آ گیا بھاجی ہمارا۔

فضل :- بیس بیٹھے بھٹائے پر دگرام بن گیا۔

(مکان کی طرف دیکھ کر) اس کی مرمت وغیرہ نہیں کروائی۔

چاچی :- لو میں نے خود پوچھا دیا ہے اسے اگلے دن۔ پارش کی وجہ سے ذرا خراب

ہو گیا ہے۔ بھائی فضل ہم تو تیرے بہت بہت شکرگزار ہیں۔ تو نے ہمیں

اپنا گھر رہنے کو دیا ہوا ہے۔

فضل :- شکریہ تو تمہارا ہے بہن... تم یہاں نہ رہتے تو یہ گھر کب کا گرچکا ہوتا۔

چاچی :- نہیں بیدی پر رہنے صحن میں بیٹھے ہیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی ہے

اٹھ چائے کے لیے پانی رکھ... نہیں یہ سستی نہیں پسینے کے۔ اٹھ شاباش۔

فضل :- آپ نے کوئی اپنا بندوبست ابھی تک کیا ہے کہ نہیں۔ میرا مطلب ہے

مکان وغیرہ بنوایا ہے۔

چاچی :- نہیں۔ وہ... بس گنجائش ہی نہیں نکلی۔ آپ اب رہو گے ناں ہفتہ

دس دن۔ نیں بیدی وہ رضائیاں اور تلیاں۔

بیدی اشارہ کرتی ہے کہ صرف دو تین ہیں۔

میں ابھی آئی مولوی صاحب کے گھر سے ایک دو رضائیاں لے آؤں۔ پالا

شروع ہو گیا ہے۔

اٹھ کر جاتی ہے۔ فضل اٹھتا ہے اور مکان کو دیکھتا ہے۔ صحن میں گھومتا ہے۔

فضل :- اس صحن میں میرے باپ دادا کی بارائیں اتری تھیں۔ سنا ہے میری

دادی اتنی حسن والی تھی کہ جب اس نے اس صحن میں قدم رکھا تو شام

ہونے کے باوجود ہر طرف روشنی ہی روشنی ہو گئی۔ اور اسی صحن سے میرے

باپ دادا کے جنازے اٹھے۔ دمسکراتا ہے، میں اس صحن میں مرغیوں کے

پیچھے بھاگا کرتا تھا۔

زبیدہ :- آپاں جی اب آپ رہو گے ناں ہمارے پاس۔

مریم :- ہاں۔ (عارف سے) I AM GETTING OUT OF

HERE FIRST THING IN THE MORNING.

اتھ کر ٹہلنے لگتی ہے۔ پھر پہلی مرتبہ سیڑھیوں کو دیکھتی ہے اور اسے کچھ ہوتا ہے۔
سیڑھیاں ڈزالو ہو رہی ہیں۔ مریم کی آنکھیں سیڑھیاں اور ایک خاص موسیقی۔
مریم دیکھتی رہتی ہے اور پھر سر جھٹکتی ہے۔

مریم :- ابو یہ سیڑھیاں کہاں جاتی ہیں؟

بیدی :- کوٹھے پر جاتی ہیں آپاں جی۔۔۔ میں آپ کے ساتھ چلوں۔

مریم :- نہیں۔

سیڑھیوں کی طرف دیکھتی ہے۔ پھر چھوٹی دیوار کے پاس آ کر کھڑی ہوتی ہے۔
اس کے پیچھے سے چاچا مہربان نمودار ہوتا ہے۔ مریم ایک ہلکی سی چیخ مارتی ہے۔

مہربان :- ناں تو مرضی نہ کریں آج تمہارے لیے۔ لاؤں۔ اوسے ہوئے فضل خاں بھی
آیا ہوا ہے۔

فضل :- بھائی مہربان آپ۔۔۔ بچو یہ تمہارے چچا مہربان ہیں۔ اچھے سلام وغیرہ
کرتے ہیں،

مہربان :- ہاں میں تمہارا چاچا ہوں اور یہ ہے میرا گھر دیوار کے ادھر۔ تم میرے
گھر آتے ہو یا فیض بخش کے۔

فضل :- دونوں ایک ہی گھر ہیں، اور سناؤ مہربان کیا حال ہے۔

مہربان :- اللہ کی مہربانی ہے۔ اوسے کڑی بیدی۔ کیا بندوبست کیے ہیں کھانے
پینے کے۔

بیدی :- (بیزاری سے) ہمارے مہمان ہیں ہم جو مرضی کریں۔

مہربان :- نہ خاطر پوری پوری کرنا... ناں تو مرغی نہ کریں ان کے لیے لاؤں ؟
فصل :- آج کھیٹوں پر نہیں گئے بھائی مہربان .

مہربان :- گیا تھا... پھر میں نے سوچا میرا کون سا جیا جنت ہے جس کے لیے
خون پسینہ جلاتا رہوں نہ کوئی آگے نہ کوئی پیچھے . بھینسوں کو چارہ ڈال
کر واپس آگیا... اوئے کڑیے چائے بنائی ہے مہمانوں کے لیے .

بیدی :- آہو بنا رہی ہوں .

مہربان :- پھر مجھے بھی دینا . چینی ہے گھر میں یا میں دے دوں . آج بڑے
دنوں بعد ایک ہی داد سے کی اولاد اس صحن میں اکٹھی ہوگی . تم میں اور
بیدی کا باپ فیض بخش . میرا تو کوئی جیا جنت نہیں ہے . بس تمہارا یہ
چھوڑ ہے اور فیضے کا رشتنا ہے . اللہ جیاتی دے . کاکی پڑھتی ہے ؟

مریم :- جی میں فائل میں ہوں .

مہربان :- (کچھ نہ سمجھتے ہوئے) اچھا اچھا... تو پھر تم... بس ٹھیک ہے
شباباش . اوئے کڑیے جلدی لا چارہ مہمانوں کے لیے .

چاچی آتی ہے اور نذرے کے سر پر دو رضانیاں ہیں جو وہ مولوی صاحب کے
گھر سے لائی ہے .

چاچی :- اندر رکھ دے نذریا . بالکل نویں نکور ہیں . میں نے کہا خیر سے میری
بیٹی بیٹا آئے ہیں پہلی بار تو... .

فصل :- یہ پہلی بار تو نہیں آئے بھابھی . یاد ہے جب ان کی ماں زندہ تھی تو
ہم تقریباً ہر سال آتے تھے .

چاچی :- ہاں بس اسی بہشتن کو ہم سے پیار تھا . وہ دکھ سکھ بانٹتی تھی ہمارا .
گرمیوں کی شاموں میں کوٹھے پر چارپائی ڈال لیتی تھی اور دے نذریا... .

اس دوران ندرارضا نیاں اندر رکھ کر صحن کے ایک کونے میں دوسروں سے
انگ براجمان ہو چکا ہے اور سر جھکانے بیٹھا ہے۔

ندرا :- میں ابھی گیا اور ابھی آیا۔ (اٹھے بغیر)

چاچی :- ماہائے کہاں گیا اور کہاں آیا۔ بیٹھا رہ آرام سے مہمان آئے ہوئے
ہیں۔۔۔

مہربان :- بہن جنتے یہ پکھیر و کبھی کبھار اترتے ہیں ہمارے صحن میں۔ ان کی اچھی
طرح خاطر کرنا۔ ناں تو مرغی نہ کر لیں؟ لاؤں؟

چاچی :- لے آؤ۔

مہربان :- ہیں۔۔۔ اچھا۔۔۔ وہ تو زندہ ہے نہ مانی۔ حلال کرنی پڑے گی۔

چاچی :- چھری ہے میرے پاس۔

مہربان :- وہ۔۔۔ ہاں وہ تو یاد آیا کہ بیمار ہے۔ کل کر لیں گے۔ کیوں بھئی بچو آپ

کل یہاں رہو گے ناں تو کل آپ کا چاچا مہربان آپ کو مرغی کھلائے گا۔
ابھی تو ذرا بیمار ہے۔

زبیدہ چائے لاتی ہے، عارف کو دیتی ہے۔

بیدی :- لو بھاجی۔

عارف :- (ایک گھونٹ لیتا ہے) اس میں تو نوری چینی ہے۔ میٹھی شہد۔

بیدی :- آہو میں نے خود چمچ بھر بھر کے ڈالے ہیں اپنے بھاجی کے لیے۔ لو

آپاں جی۔

مریم :- نہیں میں چائے نہیں پیتی۔

مہربان :- کڑیے ڈرا ادھر بھی لے آٹھیک بنی ہے چائے؟

بیدی ادھر جاتی ہے اور چائے دیتی ہے۔ گھونٹ بھرتا ہے۔

آہو ٹھیک بنی ہے۔

فضل :- بہن جنتے میں ذرا بھائی فیض اور روشنی سے مل آؤں۔ کنویں پر ہی ہوں گے ناں ؟

چاچی :- وہ تو آنے والے ہیں دو دو لے کر۔ آپ آرام کرو۔
فضل :- نہیں ایک دو ضروری باتیں کرنی ہے اس سے میں ہوا آتا ہوں۔
جنتے کے چہرے پر تشویش۔

جنتے :- دے نذریا۔

نذرا :- میں تو ابھی گیا اور ابھی آیا۔

جنتے :- کہیں نہیں جانا مرن جو گیا۔ بھائی فضل کو کنویں تک لے جا۔ کہیں اپنی زمین کو جانے والا راستہ نہ بھول گئے ہوں۔

نذرا :- بالکل جی۔ آؤ بھائی جی۔

فضل :- مریم۔ عارف میں ذرا تمہارے چچا فیض کو مل آؤں۔ اسی کام کے سلسلے میں چل بھی۔

نذرا اور فضل جاتے ہیں۔

جنتے :- مریم ہم سب ایک ہی داد سے کی اولاد ہیں۔ لیکن دور دور ہو گئے ہیں۔
... دیکھ تو یہی بیدی کی شکل تمہارے جیسی نہیں ہے۔

مریم منہ بنا کر دیکھتی ہے۔

اور میرا روشن تو اللہ رکھے ... ہمیں مل بیٹھنا چاہیے، پہلے کی طرح ...

سیانے کہتے ہیں اتفاق میں برکت ہی برکت ہے ...

عارف :- آپ کے پاس کوئی لائٹین وغیرہ نہیں ہے ... شام ہو گئی ہے۔

بیدی :- ہمارے پاس تو بجلی ہے بھاجی .. بلب لگا ہے۔

عارف :- تو جلاتی کیوں نہیں ؟

بیدی :- میں نے سوچا ابھی تو دکھائی دے رہا ہے . خواہ مخواہ بجلی ضائع تو نہیں کرنی

جا کر بلب جلاتی ہے .

بختے :- آہ پوچھ شام ہو رہی ہے . کچھ اُن پانی کا کروں ... کٹالی میں آٹالے آبیے .

ادھر ادھر دیکھ کر مریم کے پاس جاتی ہے .

مریم بھائی فضل کو کیا کام ہے فیض کے ساتھ ؟

مریم :- پتہ نہیں .

اٹھتی ہے سیڑھیوں کی طرف جاتی ہے . موسیقی بجتی ہے .

_____ ڈزالو _____

شام گہری ہو چکی ہے ، رات بھی ہو سکتی ہے . کنوئیں پر فضل اور فیض بیٹھے ہیں .

فیض :- نہیں بھائی فضل ہمارے خاندان میں پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا نہیں .

فضل :- نہیں کا کیا مطلب ہے . تم مجھے روک لو گے ؟

فیض :- نہیں . میرا کسب ہی نہیں ہے تمہیں روکنا . تم خود سیانے بیانے ہو

فضل :- بس تم گاہک تلاش کرو ... اور اگر تمہارے پاس رقم ہے تو تم خرید لو .

مکان اور زمین دونوں ، میرے لیے ان کا کوئی مصرف نہیں ہے .

فیض :- اپنی زمین بیچ دو گے ؟

فضل :- کیا فائدہ ہے مجھے اس زمین کی ملکیت کا

فیض :- زمین والے کہلاتے ہو۔ گاؤں میں آتے ہو تو لوگ عزت کرتے ہیں۔
 فضل :- میرا بیٹا تعلیم کے لیے امریکہ جانا چاہتا ہے۔ بیٹی کی شادی کے لیے بھی مجھے خامی
 رقم درکار ہے اور میرے وسائل تم جانتے ہو، محدود ہیں۔ میں مجبور ہوں۔
 فیض :- میں بھی تھوڑا سا مجبور ہوں۔ تمہارے مکان میں رہتا ہوں۔ تم اب وہ
 بھی بیچنا چاہتے ہو... ہمارا جلدی پشتی مکان ہے۔ بھائی فضل... ہمارے
 بزرگ اس کے صحن میں....

فضل :- دیکھو بھائی فیض.... زمین آدھی بخر ہے اور باقی آدھی پر چارہ وغیرہ
 کاشت کر لیتے ہو، اس کا کچھ فائدہ نہیں اور مکان.... میں نے کیا
 کرنی ہے گاؤں کی عزت... دس بارہ برس بعد آ گیا ہوں۔ آئندہ شاید
 کبھی نہ آؤں.... میرے بال بچے یوں بھی گاؤں کو پسند نہیں کرتے۔
 فیض :- میرے پاس تو رقم نہیں ہے بھائی.... میں تو پھر عرض کر دیتا ہوں۔
 بھائی اس زمین میں ہمارے بزرگوں کا خون پسینہ جذب ہے۔ تمہیں پتہ
 ہے کہ پہلے ہماری کوئی زمین نہ تھی۔ ہم در بدر کی ٹھوکریں کھاتے تھے پھر
 ہمارے بزرگوں نے اپنی محنت سے اور دن رات کی جدوجہد سے زمین کا یہ
 ٹکڑا حاصل کیا۔ اب ہم صرف اسی کی وجہ سے عزت والے ہیں۔
 فضل :- دکھ تو مجھے بھی ہوگا.... پر کیا فائدہ اس زمین کا جو بندے کو سکھ نہ
 دے۔ اور پھر چھوٹا سا ٹکڑا ہے اور وہ بھی زیادہ تر بخر۔

اندھیرے میں سے روشن آتا ہے۔

روشن :- بخر زمین والے اپنی زمین کو بیچ تو نہیں دیتے چاچا اسے آباد کرتے ہیں۔

فضل :- روشن

روشن :- سلام چاچا... نہ چاچا ایسا نہ کر... بے شمار ایسے لوگ ہیں جن کی

زمین ہم سے بھی کم ہے۔ ہم تو خاصے خوشحال ہیں ان کے مقابلے میں...

فضل :- میں تمہاری نہیں صرف اپنی زمین بیچنا چاہتا ہوں۔

روشن :- زمین تو سب کی ہے۔ ہم سب اسے کاشت کرتے ہیں۔ اسی میں سے

مذق اگاتے ہیں۔ اگر ایک بھائی اپنا حصہ بیچ دے، دوسرا دیوار کھڑی کر

لے تو کھیت چھوٹے ہو جائیں گے... سبھی کا نقصان ہے۔ فائدہ اکٹھے

رہنے میں ہے۔

فضل :- (طنزیہ) بڑا دانا ہو گیا ہے۔

روشن :- ہاں چاچا جو زمین کے قریب رہتا ہے زمین اسے اپنی دانائی دے

دیتی ہے۔

فیض :- بیٹیا کچھ بندوبست ہو سکتا ہے تو چاچے کے ساتھ سودا کر لے...

روشن :- میرے پاس تمہارے سے کوئی انگ تھوڑا ہے۔ وہی کچھ ہے جو بیدی کی

شادی کے لیے جمع کر رکھا ہے۔ ہم میں پسلی نہیں ہے زمین خریدنے کی۔

فیض :- اور مکان؟

روشن :- وہ ہم ایک ٹکلی بنالیں گے یہاں... اپنی زمین کا یہ فائدہ تو ہوتا ہے ناں

کہ اس پر جب جی چاہے بندہ چھت ڈال کر سر چھپا سکتا ہے۔

فضل :- میں... میں تمہیں... تم بے شک دو تین مہینے اور رہ لو مکان میں

... لیکن زمین...

روشن :- (اندھیرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) چاچا فضل ادھر اندھیرا ہے۔

جنگل ہے اور جنگل میں طرح طرح کے جانور ہیں جو ہماری فصلوں کے دشمن

ہیں۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، اپنے کھیتوں کی راکھی کی ہے۔

کسی جانور کو اپنے کھیت میں نہیں آنے دیا، ہم اس زمین کے لیے

جتی زیادہ تکلیفیں سہیں گے اور قربانیاں دیں گے۔ اتنے ہی پاکیزہ خالص
اور مضبوط ہو جائیں گے۔ چاچا تمہیں پتہ ہے کہ جن لوگوں کی اپنی زمین نہیں
ہوتی ان کا کیا حشر ہوتا ہے...؟

CUT

مکان کا ایک کمرہ۔ آدھے حصے میں جست کی دو بڑی بڑی پیٹیاں ہیں۔ دیواروں پر
برتن سجے ہیں۔ کچی دیواریں اور تین چار پائیاں بالکل ساتھ ساتھ بچھی ہیں۔ کیونکہ
کمرے میں مزید جگہ نہیں ہے۔ اگر پراپرٹی کے پاس "بھڑولا" ہو تو وہ بھی کمرے میں
میں رکھ دیں۔ ایک بلب جل رہا ہے۔ مریم اور عارف اپنے اپنے بستروں پر بیٹھے
ہیں۔ چھینٹ کی رمنائیاں ایک طرف رکھی ہیں۔ عارف کے ٹیپ ریکارڈر پر کوئی
دھن چل رہی ہے یعنی کٹ کریں تو یکدم موسیقی کا شور ہو۔

مریم :- عارف... عارف... بھی آہستہ کرو اسے۔

عارف :- میں اور کیا کروں اس گاڈ فار سیکن پلیس میں، مریم یہ ہمارے
باپ دادا اس مکان میں کیسے رہتے تھے... اتنی گندگی ہے ہر طرف اور
بیدی وہ کتنی غلیظ ہے۔

مریم :- (ہنس کر) کون ہے تمہاری۔

عارف :- تمہاری بھی تو ہے۔

مریم :- تمہیں پتہ ہے اس کے ہاتھوں میں سے گوبر کی بو آ رہی تھی۔ پتہ آئی سوئیر
... خالص تازہ گوبر کی بو...

(منہ بناتی ہے)

ایہہ... اور یہ جو چاچی جنتی ہے بسم اللہ بسم اللہ کرتی پھرتی ہے۔ اس
نے مجھے زبردستی پیار دیا تو اس کے کپڑوں سے یہ گھی یا مکھن وغیرہ کی

SMELL آرہی تھی قسم سے۔

عارف :- ہم کو یہاں سے فرار ہو جانا چاہیے جلد از جلد۔ اور یہاں سردی بھی تو بہت ہے۔

مریم :- تو ان خوب صورت رضائیوں میں گھس جاؤ۔

عارف :- یہی تو مصیبت ہے ان میں پتہ نہیں کس طرح کی SMELL ہے شاید مرغیوں کی اور پتہ نہیں کس طرح ...

مریم :- لاہور سے چلتے وقت میں نے ابو سے پوچھا تھا کہ وہاں گاؤں ہیں اکاموڈیشن تو پراپر ہے ناں۔ کہنے لگے فرسٹ کلاس۔ یہ ہے فرسٹ کلاس اکاموڈیشن۔

عارف :- ویسے مریم وہ انڈوں کا سالن بہت مزے دار تھا۔

مریم :- ہاں یوں تو یہاں کی گندم کا ذائقہ بھی بہت اچھا ہے شاید خالص ہے ناں ...

عارف :- ہاں اور یہاں کی SMELL بھی تو خالص ہیں اور گندگی بھی خالص ہے۔

مریم :- دچھت کی طرف دیکھتی ہے، عجیب سا لگتا ہے کہ ابو اور دادا اور ان کے دادا اسی کمرے میں ہوا کرتے تھے اور میری طرح چھت کو دیکھا کرتے تھے۔ چھت کے اسی حصے کو جسے میں دیکھ رہی ہوں۔

عارف :- زیادہ غور سے دیکھو گی تو گرہ پڑے گی۔ بہر حال ہم تو بھر پائے اپنے گاؤں سے۔

فضل - تا ہے۔

مریم :- بہت دیر کر دی ابو۔

ابو :- ہاں ڈپرے پر بہت سارے لوگ ملنے کے لیے آگئے۔ ہماری برادری

خاصی بڑی ہے ناں۔

عارف :- اور اُس کام کا کیا ہوا ؟

ابو :- ہو جائے گا... بالکل ہو جائے گا۔

اس کے ساتھ بستر پر لیٹا ہے۔

اب سونے کی کوشش کرو۔ صبح نہیں کنوئیں پرے کر جانا ہے۔

سب لوگ رضائیاں اوڑھتے ہیں۔ چند لمحوں بعد چاچا مہربان دروازہ کھول کر
جھانکتا ہے۔

مہربان :- ناں صبح سویرے مرغی نہ کر لیں... ہیں... ابھی بتا دو۔

ابو :- تکلف کی کیا ضرورت ہے بھائی مہربان۔

مہربان :- اچھا جیسے تمہاری مرضی... بس وہ مرغی تمہارے لیے رکھی ہوئی ہے۔

جب کہو گے کر لیں گے۔

پیدی کی آواز :- چاچا مہربان بھاجی اور آپاں جی کو سونے دو، تنھکے ہوئے

ہوں گے۔

مہربان :- اچھا اچھا... لو بھی سو جاؤ۔

جاتا ہے۔ سب مسکراتے ہیں۔

CUT

صبح - مرغ بولتا ہے۔ صحن میں سے دودھ کے رٹھکنے کی آواز۔ کیرہ مریم پر جاتا ہے۔

اس کے ساتھ مدھانی کی آواز بلند ہوتی ہے۔ مریم خوفزدہ ہو کر آنکھیں کھولتی ہے اور

آواز کو سنتی ہے پھر کھسک کر عارف کے قریب جاتی ہے۔

مریم :- عارف... عارف... سنو یہ کچھ بول رہا ہے۔

عارف :- (سننا ہے) پتہ نہیں کیا ہے۔

مریم :- لگتا ہے کوئی خطرناک شے ہے۔

عارف :- نہیں۔ (خوفزدہ ہے)

مریم :- ہاں... سنو... ذرا پتہ تو کریں کہ کیا ہے۔

عارف :- (خوفزدہ، خود ہی تو کہتی ہو کہ خطرناک شے ہے۔

مریم :- اٹھو... دیکھتے ہیں۔

صحن کا پورا شاٹ۔ ایک کونے میں چاچی مدھانی رڑھک رہی ہے۔ بیدی جھاڑو سے

رہی ہے۔ کمرے کا دروازہ کھلتا ہے اور دونوں جھکے جھکے باہر آتے ہیں۔

چاچی :- آؤ جی بسم اللہ... جاگ گئے۔

مریم :- چاچی... یہ ذرا چلانا۔

چاچی :- کیا... یہ مدھانی... (چلاتی ہے)

عارف :- ہاں اسی کی آواز تھی۔ اس میں ہے کیا؟

چاچی :- دودھ جواب مکھن اور لسی بن چکا ہے، پیو گے۔

مریم :- میں ذرا اسے چلاؤں؟

چاچی :- بسم اللہ۔ کیوں نہیں۔ آخر تم بھی گاؤں والوں کی بیٹی ہو۔ آؤ۔

مریم بیٹھ کر چلانے کی کوشش کرتی ہے مگر ناکام رہتی ہے۔

بیدی :- آپاں جی زور لگاؤ... ہا ہائے آپاں جی آپ سے تو ہوتا ہی نہیں۔ بھاجی

چار بناؤں؟

عارف :- نہیں۔

مریم :- تم ذرا اندر چلو عارف...

ایک مرتبہ سیڑھیوں کی طرف دیکھتی ہے۔

عارف :- کیوں؟

مریم :- بس چلو....

عارف اندر جاتا ہے۔

مریم :- (ادھر ادھر دیکھ کر) وہ چاچی... تم پرے ہو جاؤ بیدی۔

بیدی :- اچھا آپاں۔

مریم چاچی کے قریب جا کر کچھ کہتی ہے تو وہ ہنستی ہے۔ اور پھر اٹھ کر کچھ اشارہ کرتی ہے کہ آؤ۔

CUT

چاچی اور مریم کھیتوں میں جا رہی ہیں۔ ادھر ادھر دیکھ کر بیٹھ جاتی ہیں۔

CUT

کنواں - روشن ایک دلٹو ہے میں دودھ دوہ رہا ہے۔ فیض چارہ کاٹ رہا ہے، اور مویشیوں کے آگے ڈال رہا ہے۔

فیض :- روشنیا...

روشن :- ہاں چاچا۔

فیض :- بھائی فضل کے بچوں کو آج ذرا ادھر ادھر گھما پھرا دے۔

روشن :- پتہ نہیں وہ پسند کریں نہ کریں۔

فیض :- ہمارا تو فرض ہے ناں... ادھر لے آنا ڈیرے پر... زمین پر...

ادھر قبرستان میں فاتحہ پڑھ آنا بزرگوں کی ڈھیریوں پر۔

روشن :- اچھا چاچا۔

دودھ سر ہاٹھاتا ہے جیسے گاؤں جا رہا ہے۔

CUT

رہ - عارف لیٹا ہوا ہے۔ فضل باہر جا چکا ہے۔ مریم آتی ہے۔ اور بہت اپ سیٹ

آتی ہے۔

مریم :- عارف ...

عارف :- کہاں چلی گئی تھیں، ابو پوچھ رہے تھے۔

مریم :- عارف تمہیں پتہ ہے میرے ساتھ کیا ہوا؟ YOU CAN'T

IMAGINE & TELL YOU.....

عارف :- ہوا کیا؟

مریم :- تمہیں پتہ ہے کہ اس گھر میں ... ہمارے گھر میں باتھ روم نہیں ہے۔

ڈویو نو ڈویٹ؟

عارف :- وہ ہینڈ پمپ تو ...

مریم :- نہیں نہیں۔ آئی مین پراپر باتھ روم ... میں نے صبح چاچی سے پوچھا

کہ باتھ روم کہاں ہے تو وہ کہنے لگی کہ یہاں تو نہیں ہے۔ کھیتوں میں جانا

ہوگا ... اچھا تو

I THOUGHT THAT THEY BUILD THEIR

BATHROOMS IN THE FIELDS OR

SOMETHING

چنانچہ میں چاچی کے ساتھ کھیتوں میں چلی گئی۔ اور وہاں کوئی باتھ روم

نہیں تھا۔ وہاں وہ بس کھیتوں میں ...

عارف :- DON'T TELL ME THAT.

مریم :- I AM TELLIN YOU THAT

عارف :- THAT'S FUNNY

مریم :- IT'S RIDICULOUS

بیدی جھانکتی ہے۔

بیدی :- آپاں جی آپاں جی ... آپ کا پروٹھا پک گیا ہے۔ بھاجی آپ بھی
آ جاؤ ...

عارف :- اچھا ... (جاتی ہے) ایک تو میں اس آپاں جی آپاں جی سے بہت
بیزار ہوں۔

مریم :- (مسکرا کر) کزن ہے تمہاری۔

عارف :- تمہاری بھی تو ہے ...

دونوں اٹھتے ہیں۔ صحن میں کٹ کرتے ہیں، چاچی پراٹھے بنا رہی ہے۔ یہ دونوں
جاتے ہیں، پیڑھیاں بیدی رکھتی ہے آگے آگے کر کے ... کھانے لگتے ہیں، دیوار
پر سے مہربان جھانکتا ہے۔

مہربان :- اچھا تو جاگ گئے مہمان ... جنتے چار نہیں بنائی ان کے لیے۔

جنت :- بنائی ہے۔

مہربان :- تو پھر پلان کو بھی اور مجھے بھی ... اور میں نے ان کا کھانا کرنا ہے میرے
کچھ نہیں لگتے ... ہیں ...

جنت :- کر لینا کھانا (چائے بیدی کو دیتی ہے) لے بیدی چاچے مہربان کو دے

... مریم رُجھ کے کھانا میرے ہاتھ کے بنائے ہوئے پراٹھوں سے بندہ

موٹا نہیں ہوتا ...

روشن گھر کے اندر داخل ہوتا ہے، چونکہ آرام سے خاموشی سے آتا ہے، اس لیے
کسی کو پتہ نہیں چلتا۔ صرف مریم کا چہرہ ادھر ہے۔ وہ اسے دیکھتی ہے، روشن بھی
اسے دیکھتا ہے، لیکن کچھ کہے بغیر دودھ کی گا کر زمین پر رکھ کر بیٹھ جاتا ہے دونوں
ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، لیکن اس دیکھنے میں محبت وغیرہ نہیں بلکہ تجسس ہے۔

(فلش بیک)

ایک درمیانے درجے کا گھر۔ بیڈروم یا ڈرائینگ روم۔ BLANK پس منظر سے کر لیں تو بہتر ہوگا۔

مریم :- کیا ابو کیا ؟

ابو :- کچھ نہیں... بس یونہی میرا خیال تھا کہ... ہاں تم ٹھیک کہتی ہو... پتہ نہیں کیوں بس... بہر حال جانے دو۔

مریم :- لیکن ابو آپ نے عجیب و غریب بات کہہ دی... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ...۔۔۔۔

ابو :- مریم میں نے کہا تو ہے کہ بس یونہی۔

مریم :- آٹھ جماعت پاس اور کھیتوں میں مزدوری کرنے والے ایک لڑکے کے بارے میں آپ یہ سوچیں کہ...۔۔۔

ابو :- تمہاری ماں نہیں ہے تو مجھے ہی یہ سب...۔۔۔

مریم :- ہاں لیکن ابو... آپ اپنی بیٹی کے لیے یہی سوچ سکتے ہیں۔

ابو :- آئی ایم سوری... بس ایسے ہی خیال آگیا تھا۔

(فلش بیک ختم)

مریم بیڑھیوں کی طرف دیکھتی ہے اور پھر روشن کی طرف ایک نظر ڈال کر کھانا کھانے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ اس دوران جتنے روٹی پکاتے پکاتے پیچھے مڑ کر دیکھتی ہے۔

جتنے :- روشن... تو کب آیا... یہ مریم ہے ناں اور یہ عارف — چاچا

فضل باہر گیا ہوا ہے دوستوں سے ملنے... یہ غیر سے روشن ہے...۔۔۔

(سلام دعا ہوتی ہے) تورات کو نہیں آیا۔

روشن :- میں راکھی پر تھا .

جھٹتے :- ہماری زمین کے ساتھ ہی بیلا ہے ناں جنگل تو ادھر سے جنورا جاتے ہیں .

فصل بھاڑنے ... پر روشن ساری ساری رات راکھی کرتا ہے مجال ہے

کسی کی - تو بھی کھالے ناں ...

روشن :- پہلے مہانوں کو بھگتاے ... اس کے بعد میں نے ان کو لے کے جانا ہے .

... اگر ان کی مرضی ہوئی تو ...

عارف :- کہاں جانا ہے بھائی ... روشن .

روشن :- جس طرح گاؤں کا کوئی بندہ شہر جاتا ہے تو آپ اسے چڑیا گھر اور عجیب

گھر نہیں دکھاتے تو ہمارے بھی اپنے عجیب گھر ہیں ... یہاں وہ

دیکھیں گے ...

عارف :- کیوں مریم ؟

مریم :- I DON'T MIND

عارف :- میں ذرا جو گرز اور چین وغیرہ پہن لوں .

بیدی :- در روشن سے ، بھاجی میں بھی چلوں ...

جھٹتے :- بیٹھ آرام سے ، دوپہر کے لیے ہانڈی مکر نہیں کرنا مہانوں کے لیے ...

روشن :- جانے دے اماں ... اسے بڑا چارہ ہے شہر یہ رشتہ داروں کا .

بیدی :- تو پھر میں بھی چھینٹ کا سوٹ پہن لیتی ہوں ، میں اماں ...

جاتی ہے .

کمرے میں عارف واک مین کے پلگ کانوں میں لگائے جھوم رہا ہے . ظاہر ہے

آواز نہیں ہے . بیدی دروازہ کھول کر جھانکتی ہے اور پریشان ہو جاتی ہے .

کہ اس شخص کو کیا ہو گیا ہے . اسے دیکھ کر بھاگتی ہوئی صحن سے واپس جاتی ہے .

بیدری :- اماں نہیں اماں بھاجی کو کچھ ہو گیا ہے ...

جنتے :- (فوراً اٹھتی ہے) ہا ہائے .. کی ہو گیا ہے .

بیدری :- پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے . ملنگوں کی طرح سرمارتے ہیں یوں یوں کر کے ...

آپاں جی .

مریم اٹھنے لگتی ہے پھر کچھ سوچ کر مسکراتی ہے اور بیٹھ جاتی ہے . بیدری اور جنتے بھاگ کر کمرے کی طرف جاتی ہیں . جہاں عارف موسیقی پر سردھن رہا ہے . حیرت سے دیکھتی ہے .

جنتے :- عارف ... عارف بیٹھے ... ہا ہائے اس پر تو سایہ ہو گیا ہے بیدری .

بیدری :- ہائے بھاجی ...

جنتے :- وے روشنیا ... روشن .

روشن آتا ہے .

جنتے :- اسے دیکھ کیا ہو گیا ہے .

روشن آگے آتا ہے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے . عارف مڑتا ہے . کانوں میں سے پلگ نکالتا ہے .

عارف :- جی کیا بات ہے ؟

روشن :- چلنا نہیں عجیب گھر دیکھنے .

عارف :- چلنا ہے .

روشن :- تو چلو پھر ... اور اچھی طرح پیٹ لپاٹ لو اپنے آپ کو باہر کھلی فضا میں

سردی ہوتی ہے .

CUT

روشن . عارف . مریم . بیدری گاؤں کی ایک گلی میں . ایک دو مرد اور عورتیں رگ

کران سے بات کرتے ہیں، اور بچے دیکھ رہے ہیں، گاؤں میں گھوم رہے ہیں یاد رہے کہ اب مریم اور عارف کی ناپسندیدگی کچھ کم ہو چکی ہے، روشن ان کے ساتھ زیادہ بے تکلف نہیں ہوگا، اس کے ذہن پر زمین کی فردخت کا مسئلہ ہے، یہ چاروں گائوں سے باہر نکلتے ہیں، ایک قبرستان کے نزدیک سے گزرتے ہیں، روشن ٹھہرتا ہے:

روشن :- وہ ادھر ہمارے دادے کی قبر ہے... اور دادی کی...

عارف :- (جبران ہو کر) اچھا؟... وہ ہمارے بھی تو دادا اور دادی تھے.

روشن :- ہاں لیکن تم نے ان کو یاد نہیں رکھا...

بیدری :- بھاروشن محرم کے دنوں میں قبروں پر مٹی ڈال دیتے ہیں... اور میں پوچھا کرتی ہوں.

مریم :- کچھ قبریں بالکل خستہ حال ہیں.

روشن :- جن کے بیٹے مٹی نہیں ڈالتے ان کی قبروں کا یہی حال ہوتا ہے...

چلیں؟

عارف :- ہاں.

روشن :- فاتحہ نہیں پڑھنا؟...

عارف :- ہاں آں... ضرور

فاتحہ پڑھتے ہیں، مریم سوچ میں ہے، آگے جاتی ہے.

مریم :- کون سی قبر ہے؟

روشن :- یہ ہماری دادی جان ہیں... اور یہ پروادا ہے ہمارا.

مریم بیٹھ کر قبروں کو ہاتھ لگاتی ہے، جیسے ان سے رابطہ قائم ہو رہا ہے، ہتھیلی پر مٹی

لگ جاتی ہے، ہتھیلی کا کلوز، جھاڑنے لگتی ہے، پھر نہیں جھاڑتی، ایک بوڑھا

آتا ہے اس نے گدھے پر چارہ لا کر رکھا ہے، اسے ہانکتا ہوا آ رہا ہے، سب کو

کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

بوڑھا :- اوئے روشنیا... یہ امام دین کے ہیں ہیں؟ ... واہ بھی واہ ادھر
 آؤ... میں تمہارا چاچا شیرا ہوں... پیار لو بھی... (پیار دیتا ہے،
 مریم آرام سے پیار لیتی ہے اور کچھ محسوس کرتی ہے، بیٹا تمہاری زمین
 ہے یہاں، مکان ہے یہاں... آیا کرو اپنے گاؤں میں... اور راضی باری
 ہوناں؟... روشنیا میں نے تیرے کھیت ہیں سے دو گئے لیے تھے۔
 میں رہ نہیں سکا... میٹھے بہت ہیں۔

روشن :- چاچا تیرا اپنا کھیت ہے تو بے شک سارے گئے پٹر کے ان کا گڑ
 بنا لے۔

بوڑھا :- جیتا رہ۔ جیتا رہ۔

عارف :- یہ کون سا چاچا ہے؟ رشتے دار ہے ہمارا؟

روشن :- ہاں... ہم سب آپس میں رشتے دار ہی ہوتے ہیں...۔

مریم :- اور وہ ساری عورتیں جو مجھے روک روک کر پیار دیتی تھیں...
 ملتی تھیں...

عارف :- (مسکرا کر) کزنز...۔

مریم :- ہاں کزنز روشن کو دیکھتی ہے، جی تو اب کدھر جانا ہے؟
 روشن :- اپنی زمین کی طرف۔

CUT

ایک راستے پر جا رہے ہیں... پھر ایک جگہ پہنچتے ہیں، جس کے پس منظر میں جنگل
 وغیرہ ہونا چاہیے۔ ایک پھولس کی جھگی یا کوئی ڈھارا وغیرہ۔ وہاں ایک دو چار پائیا
 ہیں۔ مویشی۔ کھیت۔ اور پرے گنے کا ایک کھیت۔ یہاں جب یہ بیٹھ رہے ہیں،

تو ارد گرد کا نظارہ دکھائی دے اور موسیقی، کیونکہ یہی زمین ہے۔ روشن کھڑی ہوئی
چار پائیوں کو بچھاتا ہے۔

بیدی :- آپاں جی میں آپ کے لیے گئے لاؤں؟ ہیں بھابی؟
روشن :- ہاں دفع ہو...

بیدی :- میں ہوگئی دفع بھابی۔

مریم :- دکھیتوں کی طرف دیکھتی ہے اور پھر جھک کر زمین کریدتی ہے، کیا
یہی ہماری زمین ہے؟

روشن :- ہاں... (اشارہ کرتا ہے) وہ دو کھیت تمہارے ہیں اور وہ ہمارے
... اور وہاں کچھ گلرز دہ زمین ہے جسے میں خود آباد کرنے کی کوشش
کر رہا ہوں...

مریم :- یہ فضا میں کس چیز کی خوشبو ہے؟

روشن :- سرسوں کی... ان دنوں ہوا میں سرسوں کی خوشبو تیرتی رہتی ہے...
اور یہ تمہارے کھیت سے آرہی ہے، وہی کھیت جسے تم لوگ بیج
دینا چاہتے ہو۔

عارف :- روشن بھائی دراصل میں امریکہ جانا چاہتا ہوں اور... مجبوری ہے۔
مریم :- تم ساری رات راکھی پر بیٹھے ہو روشن؟
روشن :- ہاں مجھے جاگنا پڑتا ہے... اس کی حفاظت کے لیے... میں ان
دنوں یہیں ہوتا ہوں۔

مریم اٹھتی ہے اور ادھر ادھر گھومتی ہے، وہ سرسوں کے کھیت میں ہے، اور اس
کی خوشبو سے نطف اندوز ہوتی ہے مختلف کھیتوں میں۔ ایک مونتاز جس سے
ظاہر ہو کہ زمین کی کشش اس پر حاوی ہو رہی ہے۔ واپس آتے ہیں عارف اور

روشن پر۔

روشن :- یہ جو تمہاری عزت ہوتی ہے اس گاؤں کی گلیوں میں چلتے ہوئے اور
ہر ایک نے تمہاری راہ میں آنکھیں بھپائی ہیں تو جانتے ہو کیوں...؟
اس پہچان کی وجہ سے۔ اس زمین کی وجہ سے اور اس پرلنے گھر کی وجہ
سے جہاں اب بھی ہمارے بزرگوں کی مہک ٹھہری ہوئی ہے۔
عارف :- روشن بھائی میں تو... مجھے دراصل کچھ پتہ ہی نہیں تھا کہ زمین اور
عزت میں کیا رشتہ ہے... لیکن اب تو نہیں مانیں گے۔

بیدی آتی ہے۔

بیدی :- آپاں جی کہاں ہیں؟
روشن :- آجاتی ہے بیٹھو۔

بیدی :- لوجہا جی گئے عارف کو دیتی ہے... مریم کو دیکھتی ہے، آپاں جی
آگے...

سب لوگ ایک ایک گنا لیتے ہیں۔ مریم اور عارف چوس نہیں سکتے۔
بیدی :- میں چھیل دوں آپاں جی... میں آپ کو گنڈیریاں بنا کر دیتی ہوں۔
مریم :- ہاں مجھ سے تو... بہت مشکل ہے بابا۔
عارف :- ہاں میری تو باچھیں زخمی ہو گئی ہیں اندر سے۔
پر سے جا کر بیٹھ جاتا ہے۔

مریم :- سردی کچھ زیادہ نہیں؟
روشن :- کھلی فضا ہے ناں اس لیے۔ تم لوگوں نے کل واپس جانا ہے ناں؟
مریم :- ہاں... بس وہ کام ہو جائے (بدو لی سے)، تو... چلے جائیں گے۔
روشن :- مریم... مجھے تم سے ایک کام ہے۔

مریم :- مجھ سے ؟

روشن :- اپنے ابا کو کہو کہ زمین کسی اور کو نہ بیچے... مجھے صرف چھ مہینے دے
دے... میں مرنے جاؤں پھر میں رقم بنالوں گا... تم یہ سفارش کر دو تو
میں ساری جیاتی تمہارا احسان یاد رکھوں گا (آبدیدہ) دیکھ مریم ان
کھیتوں کو، یہ ہمارے ہیں... یہ مجھے پیارے ہیں... میں ان سے جدا
نہیں ہو سکتا.

مریم :- کچھ محسوس کرتے ہوئے کانپتی ہے، مجھے سردی لگ رہی ہے.

روشن :- ہم ایک دوسرے کو نہیں جانتے، پراپک ہی دادے کی اولاد ہیں...
میں تمہارے دادے کی قبر کو آباد رکھتا ہوں مریم... اس پر مٹی ڈالتا
ہوں ہر دو مہینے بعد... اپنی زمین نہیں ہوگی تو مٹی کہاں سے
ڈالیں گے.

CUT

کنوئیں پر۔ مریم ایک طرف ہو کر بیٹھی ہے اور اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ عارف
ابھی تک گئے کو لگا ہوا ہے۔ بیدی کوئی کام کر رہی ہے۔ روشن دودھ دودھ رہا
ہے۔ گاگر بھرتی ہے تو اٹھا کر باہر رکھتا ہے اور پھر اٹھانے کے لیے سر پر اٹوں
رکھتا ہے۔ اٹھانے لگتا ہے تو مریم آگے آتی ہے۔
گاگر پر ہاتھ رکھ کر

مریم :- میں مدد کر دوں ؟

روشن :- نہیں میں اٹھالوں گا۔ دہاتھ لگتا ہے، تمہیں تو بخار ہے... یتا یا

کیوں نہیں ؟

عارف :- روشن بھائی۔

روشن :- کچھ نہیں ہوتا... یونہی... سردی تھی ناں۔ گھر جا کر دودھ میں گھی
ملا کر پلائیں گے تو ٹھیک ہو جائے گی۔

بیدی :- آپاں جی ...

روشن :- تم ٹھہرو ...

قریب ہی دو گدھے بندھے ہوتے ہیں۔ اُن کو لاتا ہے۔ ایک پر مریم کو بٹھاتا ہے اور
دوسرے پر عارف کو۔ گاگراٹھا کر چلتا ہے۔ آگے روشن اس کے پیچھے دونوں گدھے
سب سے پیچھے بیدی اچھلتی ہوئی۔ شام کا وقت۔ نہریا کوئی راستہ جس پر LONG
SHOT میں دکھاتے ہیں۔

———— CUT ————

گھر فیض فضل اور جنتے بیٹھے ہیں۔

جنتے :- ٹھیک ہے بھائی فضل... ہم یہ مکان خالی کر دیں گے۔

فیض :- تمہارے حصے میں آیا تھا تمہاری مہربانی ہے کہ اتنا عرصہ ہمیں یہاں

سر چھپانے دیا:

فضل :- مجھے مجبوری نہ ہوتی ناں تو... نہ میں یہ مکان بیچتا اور نہ زمین۔

جنتے :- زمین کس کے ہاتھ بیچی بھائی فضل؟

فیض :- اس نے نمبر داروں سے بیانا پکڑ لیا ہے۔

فضل :- تمہارے پاس رقم نہیں تھی انہوں نے اچھی قیمت لگائی تو... پر

بھائی فیض ایک وعدہ چاہیے مجھے آپ کا... آپ حق شفع نہیں

کرو گے۔

فیض :- نہیں تم میرے بھائی ہو... میں بھائیوں سے جھگڑا نہیں کیا کرتا۔

فضل :- اور روشن ...

۱۷۴

فیض :- اسے میں سمجھا لوں گا۔

روشن - مریم - عارف اور بیدی داخل ہوتے ہیں۔

جنتے :- آؤ جی بسم اللہ... ہو گئیں سیریں...

بیدی :- اماں آپاں جی کو بخار چڑھ گیا ہے...

جنتے :- خیری صلے...

فضل :- کیا ہوا بیٹی...

مریم :- یونہی بس... کوئی خاص بات نہیں ہے ابو...

روشن :- اس کو عادت نہیں ہے ناں کسلی فضاؤں کی... ذرا ہوا لگ گئی ہے۔

مریم سیڑھیوں کے پاس جاتی ہے۔ موسیقی۔ اب پہلی مرتبہ ان پر چڑھتی ہوئی...

نصف سیڑھیوں پر کسٹری ہوتی ہے۔ اور کچھ آوازیں جو صاف نہیں اس پر اور لپ

ہوتی ہیں۔

فضل :- کہاں جا رہی ہو۔

مریم ان آوازوں کو سننے کی کوشش کرتی ہے پھر نیچے آجاتی ہے۔

جنتے :- اس کی ماں اللہ بخٹے چھت پر چار پائی ڈال کر بیٹھ جاتی تھی اور اسے

بلائی تھی مریم مریم اور یہ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں پھلانگتی اس کے پاس

پہلی جایا کرتی تھی... تم لیٹ جاؤ فوراً... بیدار ذرا ہاتھ پاؤں دبا

دے، بہن کے میں دودھ گرم کر کے لاتی ہوں گھی کے ساتھ!

فضل :- یہاں نزدیک ہی کوئی ڈاکٹر ہوگا؟

فیض :- ڈاکٹر تو نہیں ہے البتہ ایک ترکھان ہے جو بڑے اچھے ٹیکے لگاتا ہے۔

فضل :- ہم واپس نہ چلے چلیں ابھی۔

مریم :- اوہو ابو ہلکا سا بخار ہے... پلیز مجھے بس آرام کرنے دیں...

چاچا مہربان آتا ہے۔

مہربان :- اوہ ہو پتیری کو بخار ہو گیا جنتے مرغی نہ کریں ... سخی بنالیں۔

ذرا طاقت آجائے گی۔

مریم :- بس آپ لوگ مجھے ریٹ کرنے دیں ... پلیز۔

سب باہر آجاتے ہیں۔

عارف :- یہ کوئی ڈاکٹر ہے جو ٹیکے لگاتا ہے ؟

جنتے :- نہیں پتر ... ترکھان ہے پر اس کے ہاتھ میں بڑی شفا ہے۔

عارف :- تو اسے نہ بلا لیں ابو ...

فضل :- ہاں دکھالیں تو بہتر ہے اور انشا اللہ صبح سویرے نکل چلیں گے

یہاں سے ...

روشن :- میں جاتا ہوں۔

جنتے اور فیض بھی کمرے سے باہر جاتے ہیں۔ بیدی مریم کے ہاتھ پاؤں دبا

رہی ہے۔

مریم :- بس کر بیدی۔

بیدی :- آپاں جی۔ آپاں جی۔ اب ٹھیک ہوناں۔

باہر جاتی ہے۔

فضل :- دجیب میں سے روپے نکال کر، عارف ان پیسوں کو سنبھال لو ...

(مریم دیکھتی ہے، مکان اور زمین کے بیانیے کے ہیں۔

عارف :- ابو ... وہ۔ آپ نے بات ہی نہیں کی ہم سے۔

فضل :- اچھی قیمت مل گئی ہے۔

عارف :- ابو ہماری زمین میں ان دونوں سروسوں پھولی ہوتی ہے، آپ نے

دیکھی ہے ؟

فضل :- نہیں میں اس طرف نہیں گیا .

عارف :- آپ دیکھتے تو سہی .

روشن اور ترکھان ڈاکٹر کرملی داخل ہوتے ہیں .

روشن :- اس بی بی کو بخار ہے .

کرملی بڑے درست انداز میں اس کا بخار دیکھتا ہے .

کرملی :- بس ٹھنڈ لگ گئی ہے . شہر والے ذرا نازک ہوتے ہیں ناں

ٹھیک ہو جائے گی صبح تک بیگ میں سے گولیاں نکالتا ہے یہ

ابھی کھالو . . . اور یہ ایک ٹیکہ لگا دیتا ہوں طاقت کا .

عارف :- سرخج تو ٹھیک ہے ناں ؟

کرملی :- جی ہاں . . . بیس برس سے اس گاؤں میں میرے مقابلے میں

کوئی ایم بی بی ایس ڈاکٹر نہیں ٹھہرا . اللہ کے فضل سے ٹھیک ہو جائے

گی سویرنگ .

ٹیکہ لگاتا ہے . مریم پر غنودگی طاری ہو رہی ہے .

کرملی :- ابھی سو جائے گی .

روشن کرملی کو کچھ پیسے دیتا ہے اور وہ چلا جاتا ہے . روشن تھوڑا سا پریشان ہے .

روشن :- آپ فکر نہ کریں چاچا فضل . . . اچھا میں چلتا ہوں .

مریم :- کہاں جا رہے ہو روشن ؟

روشن :- میں ؟ میں راکھی کرنے جا رہا ہوں اپنے کھیتوں کی مریم . . . اپنے اور

تمہارے کھیتوں کی .

عارف اور فضل ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں ، روشن جاتا ہے .

مریم :- وہ کھیت تو ہمارے نہیں رہے . ہمارے نہیں رہے .
فضل :- بیٹے تم آرام کرو . سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی ہم یہاں سے نکل
چلیں گے .

ماتھے پر ہاتھ رکھتا ہے اور اس کا چہرہ تشویش سے بھر جاتا ہے . عارف سے
کہتا ہے .

بخار تو بہت ہی تیز ہے .

جنتے اور بیدی آتے ہیں .

جنتے :- (ہاتھ میں گلاس) مریم شاید سو گئی ہے . چلو سب لوگ اسے آرام

کرنے دو . بھائی فضل . عارف تمہارے بستر میں نے ساتھ والے کمرے میں

گردیے ہیں . چلو اٹھو . انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی صبح تک .

سب اٹھ کر جاتے ہیں . کیمرو مریم پر وہ اگرچہ غنودگی میں ہے . لیکن بے چین ہے .

———— CUT ————

روشن ڈانگ ہاتھ میں پکڑے کھڑا ہے . جنگل میں سے جانوروں کی آوازیں آ رہی
ہیں اور وہ بالکل مستعد ہے .

———— CUT ————

عارف اور فضل بیٹھے ہوئے ہیں . لیکن جاگ رہے ہیں .

———— CUT ————

مریم گرد میں بدل رہی ہے اس کے ماتھے پر پسینہ ہے .

———— CUT ————

جنتے بیدی اور فیض بھی اپنے اپنے بستروں پر لیکن سبھی جاگ رہے ہیں . البتہ

جنتے کی آنکھوں میں آنسو ہیں .

———— CUT ————

ہم مریم کے کلوز پر جاتے ہیں۔ اب آہستہ آہستہ وہ زیادہ بے چین ہو گئی۔ اس پر وہی موسیقی اور ریپ ہو گئی جو سیڑھیاں دیکھتے وقت چلتی تھی۔ اور پھر وہ آوازیں جو سمجھ بھی نہیں آرہی۔ وہ پہلو بدلتی ہے۔ پھر دھیرے دھیرے اٹھتی ہے۔ باہر جاتی ہے۔ سیڑھیوں کے قریب۔ سیڑھیوں پر چڑھتی ہے۔ درمیان میں رکتی ہے اور یہاں سے وہ آوازیں جو اس کی ماں کی ہیں، صاف ہونے لگتی ہیں۔

آواز :- مریم۔ مریم۔۔۔ تم مجھے بھول گئے ہو بیٹے۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ میرے پاس آؤ بیٹے۔ تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔۔۔ اپنے جھگڑوں میں الجھے رہتے ہو۔۔۔ مریم۔ مریم۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ میرے پاس آؤ۔
میرے پاس آؤ۔

مریم اوپر جاتی ہے۔ چھت پر ایک چار پائی ہے اور وہاں ایک عورت ہے۔ جو اس کی ماں ہے اسے بلا رہی ہے مریم اس کے پاس جاتی ہے۔ اس کا ہیولا غائب ہو جاتا ہے۔ لیکن مریم پریشان نہیں ہوتی۔ اب وہی آوازیں نیچے سے آرہی ہیں اور مریم ان کو سنتی ہے، نیچے اترتی ہے۔ صحن میں آتی ہے۔ صحن کا دروازہ کھول کر گلی میں جاتی ہے۔ اب وہ گاؤں کی گلیوں میں سے گزر رہی ہے۔ گاؤں سے باہر آتی ہے۔ اور وہ موسیقی اور وہ آوازیں آرہی ہیں۔ جیسے وہ مجبور ہو کر ان کے پیچھے پیچھے جا رہی ہے۔ بالآخر وہ اس مقام تک پہنچتی ہے۔ جہاں اس کی زمین ہے۔ وہ اپنی زمین پر بیٹھ کر اطمینان کا سانس لیتی ہے۔ اُسے مٹھی میں لیتی ہے۔ جیسے وہ تندرست ہو گئی ہے۔ وہ مسکراتی ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے ہیں۔ جو مٹی میں جذب ہوتے ہیں۔ ہے تو روشن کھڑا ہے۔ وہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ دیتا ہے۔

مریم کھڑی ہوتی ہے اور جو ڈانگ روشن پکڑے ہوئے ہے، اس کو تمام لیتی ہے
جیسے اب وہ بھی راکھی میں شریک ہوگئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی امانت علی خان
کا "اے وطن پیارے وطن" اور لپیپ ہوتا ہے۔

(اختتام)

○ جنگل میں راستہ

پہلا منظر

ایک تنگ گلی۔ گلی اتنی تنگ ہو کہ ہاتھ پھیلانے سے کسی ایک دیوار کو لگیں اور میان میں بہتی ہوئی نالی۔ فریڈ سکول سے واپس آ رہا ہے، گلے میں بستہ بہت صاف ستھرا لڑکا۔ بال بھی بنے ہوئے اور لباس بھی بے داغ۔ بہت احتیاط سے قدم رکھتا ہے۔ بالکل آہستہ چلتا ہے۔ اس گلی میں سے گزر کر گھر پہنچنے تک تین جگہ ایسی ہوں جنہیں وہ ایک ہاتھ سے چھو کر گزرتا ہے۔ جیسے بچے مختلف چیزوں کو ہاتھ لگا کر چلتے جاتے ہیں۔ یہ جگہیں آؤٹ ڈور کی مناسبت سے چن لی جائیں۔ اس منظر پر ٹیلپ چل سکتے ہیں۔

CUT

دوسرا منظر

فریڈ گھر کے دروازے میں سے اندر آتا ہے۔ گھر جیسا کہ قصبوں میں مڈل کلاس خاندانوں کا ہوتا ہے۔ ایک وسیع صحن۔ سامنے ہرآمدہ اور پیچھے دو کمرے۔ ایک کونے میں پانی کا نل یعنی ہینڈ پمپ اور دوسرے کونے میں باورچی خانہ لیکن

اس کے لیے تھڑانہ بنائیے گا، فرش کی سطح پر ہوتا چاہیے، فریڈا ندر آتا ہے۔ اپنا بستہ رکھتا ہے۔ نلکے سے منہ ہاتھ دھو کر باورچی خانے میں جاتا ہے۔ وہاں اسے معلوم ہے کہ روٹی کہاں ہوگی، اور اچار یا سالن وغیرہ کہاں۔ نکال کر کھانے لگتا ہے تو ماں سر پر کناالی رکھے اندر آتی ہے۔

ماں :- فریڈ پتھر یہ سب کی رکھ دے ہاتھ سے۔

فریڈ :- کیوں اماں جی ؟

ماں :- ضرور رات کی باسی روٹی کھانی ہے تم نے... کرماں ماری سکیشما چھن

نے تنوری گرم کرنے میں دیر کر دی۔ یلے۔ ہے ناں گرم ؟

فریڈ :- جی اماں جی۔

ماں :- جی اماں جی۔ ہاں اماں جی... پتھر لوگوں کے پتھر تو دن رات ٹرٹریا تیں

کرتے ہیں اپنی اپنی ماؤں کے ساتھ اور تو... صابر شا کر... جی اماں

جی۔ اور ہاں اماں جی...۔۔۔

فریڈ :- (مسکرا کر) جی اماں جی۔

ماں :- مجھے تو بڑا شوق ہے کہ تو میرے ساتھ ہر وقت گالڑوں کی طرح پٹریٹ

بائیں کرے... پر تو توجہ سے پیدا ہوا ہے... خیر آئینے سے میری

بہو بقیس کو... اس کے ساتھ رجبہ کے بائیں کروں گی۔

فریڈ :- اس نے تیرے کان کھا لینے ہیں اماں جی۔ وہ تو نرا ٹیپ ریکارڈ ہے۔

ماں :- (اس کی طرف غور سے دیکھتی ہے) یہ چیر تم نے خود نکالا ہے ؟

فریڈ :- (شرمندہ ہو کر) ہاں اماں جی۔

ماں :- تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ خود جو مرضی کر۔ ہاتھ منہ دھو... جو مرضی...۔۔۔

پر تیری کنگھی ہمیشہ میں کروں گی۔ اب یہ ٹیڑھا چیر نکال کر بیٹھا ہوا

ہے ادھر آ۔

فرید اٹھ کر پاس جاتا ہے۔ اماں کنگھی کرتی ہے۔ پیار سے چیر سیدھا کرتی ہے۔

ماں :- فرید تو ماشا اللہ جب بال بچوں والا ہو جائے گا ناں... جب تو بڑا

سارا مرد بن جائے گا۔ تب بھی میں نے ہی تیری کنگھی کرنی ہے۔ ٹھیک

ہے ناں ؟

فرید :- ہاں اماں جی...

ماں :- (سر جھٹک کر) باپائے تو نے جی اور ہاں اماں جی کے علاوہ مجھے اور

کچھ نہیں کہنا ؟

فرید :- نہیں اماں جی۔

CUT

تیسرا منظر

رات کا وقت۔ فرید ایک مکمل طور پر تاریکی میں ڈوبے ہوئے کمرے میں داخل

ہوتا ہے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے، اور جب کچھ نہیں دکھائی دیتا تو

پریشان ہو جاتا ہے۔ ادھر ادھر دیکھ کر بالآخر ماچس تلاش کرتا ہے اور ایک

ییمپ جلاتا ہے۔ جس میز پر اس کی کتابیں وغیرہ پڑی ہیں کرسی پر بیٹھ کر ییمپ

کی نوک دیکھتا ہے۔ ییمپ کی لو اور فرید کی آنکھوں کے انٹرکٹ۔ آنکھوں میں ییمپ

کی روشنی۔ خورشید ہاتھ میں دودھ کا گلاس پکڑے اندر آتی ہے۔ اسے مگن

دیکھتی ہے، اور شرارت سے ییمپ کی نوک پھونک مارتی ہے۔ جھمکتی ہے۔ فرید

پریشان ہو جاتا ہے۔

فرید :- بھابی... اوہ...

بھابی :- کیا نظر آتا ہے اس میں تمہیں ۔

فرید :- (پھر نو کی جانب دیکھتا ہے) اس میں ؛ بھابی اس نو کو ٹکٹکی باندھ

کر دیکھتے جاؤ تو روشنی کے چمکتے بھرٹکتے دریا نظر آتے ہیں ... جیسے نور

کی بارش ہو ... جیسے ...

بھابی :- (مسکراتی ہے) یہ دودھ پی لو ۔

فرید :- بھائیے نے اس مہینے کا ڈرافٹ بھیج دیا ؛

بھابی :- تمہیں پیسوں کی ضرورت ہو تو ...

فرید :- نہیں نہیں بھابی اب بھائیے کو واپس آ جانا چاہیے ۔

بھابی :- (قدرے جذباتی) ہاں اب تو آ ہی جانا چاہیے ۔ بہت کمائیاں ہو گئیں ۔

اُدھر ابو دوسری سے آیا ہے شادی کی ہے اور چوتھے روز فلاٹ پر واپس

... یہ کوئی بات تو نہیں فرید ... ہم نے ٹھوکنی ہیں کمائیاں ۔

ماں کی آواز آتی ہے ۔ خورشید ۔ خورشید ۔

لے میں نے تو ابھی برتن بھی صاف کرنے ہیں ... آئی اماں جی ۔

خورشید جاتی ہے ، فرید پھر پیپ کی نو کو گھوڑنے لگتا ہے ۔

CUT

چوتھا منظر

اسی گلی میں سے فرید سکول جا رہا ہے ۔

CUT

وہی صحن ۔ تین چار پائیاں ۔ دو خالی ۔ صبح کی ہلکی روشنی ۔ مرغ کی بانگ وغیرہ
بھابی خورشید گھر کے کام کاج میں مصروف اماں جی کھانا وغیرہ بنا رہی ہے ۔ اس

دوران فرید اٹھتا ہے۔ آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھ کر پھر لیٹ جاتا ہے۔

(ڈرالو)

روشنی زیادہ ہو چکی ہے اور فرید ابھی تک سو رہا ہے۔

ماں :- فرید۔ فرید پتراٹھ۔ سکول نہیں جانا؟

فرید :- (آنکھیں کھولتا ہے) کیا ہے اماں جی !

ماں :- پتراٹھ۔ سکول نہیں جانا۔

فرید :- (ارد گرد نگاہ ڈال کر) لومند اندھیرے چلا جاؤں سکول۔

ماں :- منہ اندھیرے ؟ (مسکرا کر) لواد پر سے شکر دوپہر ہونے کو ہے اور

کہتا ہے منہ اندھیرے۔ اٹھ پتر۔

فرید :- (اٹھتا ہے۔ دیکھتا ہے) پر ماں ابھی تو سورج بھی نہیں نکلا...

اندھیرا ہے ہر طرف۔

ماں کو بیک دم احساس ہوتا ہے کہ کچھ گڑ بڑ ہے۔ اٹھتی ہے اور اس کے پاس

آتی ہے۔

ماں :- اندھیرا پتر؟

فرید :- صبح تو ابھی نہیں ہوئی ناں اماں جی ...

ماں :- (اس کے سامنے بیٹھتی ہے) فرید ہر طرف روشنی ہے۔

فرید :- نہیں ہے اماں جی۔

آنکھیں ملتا ہے دیکھتا ہے۔

کیا سچ صبح ہو گئی ہے ؟

ماں :- ہاں پتر۔

فرید :- تو پھر... تو پھر... (ماں سے چٹ جاتا ہے) ہر طرف اندھیرا کیوں ہے۔

صبح کہاں گئی اماں جی ...

مال :- ماں صدقے پتر۔ تجھے شاید چکرا گیا ہے اس لیے خورشید۔ خورشید۔
خورشید اندر سے آتی ہے۔

دیور کا سر پیر دبا سے چکرا گیا ہے، میں حکیم احمد دین سے شربت لے کر
آئی ہوں۔ میں ابھی آئی جن فرید۔
خورشید اس کا سر دبانے لگتی ہے، کیرہ فرید کی آنکھوں پر۔

CUT

پانچواں منظر

اماں فرید کو سامنے بٹھا کر پیار سے کنگھی کر رہی ہے، اور وہ اس کی جانب
دیکھ رہا ہے۔

فرید :- سکول سے میرا نام تو نہیں کٹ جائے گا اماں جی۔

مال :- ہم نے کیا کرنا ہے سکول جا کر۔ و نغ کرو۔

فرید :- آپ ہی تو کہتی تھیں کہ ان پڑھ بندے اور جانور میں زیادہ فرق

نہیں ہوتا اور اب ...

مال :- بڑی ہیں نوجماعتیں۔

فرید :- اماں جی تحصیل ہسپتال کے ڈاکٹر نے کیا کہا تھا ایک طرف جا کے۔

مال :- وہ کہتا تھا تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔

فرید :- (مسکرا کر) نہیں اماں جی۔ میرے کان بڑے ہار یک ہیں، میں نے

سن لیا تھا۔ اس نے کہا تھا یہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ ہے ناں؟

مال :- نہیں نہیں ... تو نے ڈرنا نہیں پتر ... ڈرنا نہیں ... میں جو تیرے

ساتھ ہوں، میں تیرا خیال رکھوں گی، تجھے نہلاؤں گی، کپڑے بدلوں
گی۔ جہاں کہو گے لے کر جاؤں گی۔

کنگھی کرتی ہے اور روتی ہے۔

CUT

چھٹا منظر

صحن کا ایک کونہ۔ یہاں ڈز او کے ذریعے فریڈ کو بیٹھے دکھایا جائے۔ آہستہ آہستہ دن
گزرتے ہیں۔ فریڈ جو پہلے بہت صاف ستھرا تھا۔ اب بالکل فقیروں کی طرح ہو چکا ہے۔
خلاؤں میں گھس رہا ہے۔ اس کونے میں کچھ ایسی چیزیں ہونی چاہئیں۔ جن سے صحن کے
اس حصے کی باآسانی شناخت ہو جائے۔۔۔ کیمرے کو چہرے کی جانب لے جاتے ہوئے
ماں اور بھائی کے مکالمے ۵/۵ ہوتے ہیں۔ یہ مکالمے سرگرمیوں میں ہیں۔

ماں :- (رندھی ہوئی آواز میں) پر میرے بعد اس کا کیا ہوگا۔ میں تو اب بھی اس کا
خیال نہیں رکھ سکتی۔۔۔ مجھ میں اتنی ہمت طاقت کہاں ہے کہ اسے ہر وقت
ساتھ لیے لیے پیروں۔ نہلاؤں دھلاؤں کپڑے پہناؤں۔ غسل خانے لے
کر جاؤں اور پھر ماشاء اللہ جوان ہے۔ آخر میں کب تک۔۔۔
بھابی :- میں اس کا خیال رکھوں گی اماں۔۔۔

ماں :- نہ پتہ۔ دوسروں کی چنگی بھلی اولاد نہیں پالی جاتی۔ یہ غریب تو پھر
نابینا ہے۔۔۔

روتے ہوئے

اس نے گلیوں میں دھکے کھانے ہیں میرے بعد فقیر ہو جانا ہے۔ سودائی
ہو جانا ہے۔

کیمبرہ فرید کے بڑے کلوز پر۔

CUT

ساتواں منظر

صبح کا وقت جو دوسرے منظر میں تھا۔ اماں سوئی ہوئی ہے۔ ایک ہاتھ اُسے جگاتا ہے یہ فرید کا ہاتھ ہے۔ فرید بالکل پہلے کی طرح صاف ستھرا۔ صاف کپڑے اور گلے میں بستر، سکول جانے کے لیے تیار۔

فرید :- اماں جی۔ اماں جی اٹھو۔

اماں بیدار ہو کر دیکھتی ہے اور حیران ہو جاتی ہے۔

ماں :- فرید پتھر... تم... تم کہاں جا رہے ہو؟

فرید :- سکول اماں جی۔ میری کنگھی کر دو۔

کنگھی اسی طرف بڑھانا ہے، جسے وہ آپیدہ ہو کر تھامتتی ہے اور اس کے بالوں میں پھیرتی ہے۔

ماں :- پر لربہ... تجھے تو پتھر....

فرید :- میں نے دھکے نہیں کھائے اماں جی۔ میں نے فیتھر نہیں ہونا... میں نے

پڑھنا ہے۔ (مسکرا کر) پڑھنا نہیں سننا ہے اور سیکھنا ہے۔ خدا حافظ

اماں جی۔

جانے لگتا ہے۔

ماں :- پتھر ناشتہ تو کر لے۔

فرید :- میں نے خود ہی دو دھپی لیا تھا۔

دروانیے تک جاتا ہے۔

ماں :- (کچھ سوچ کر) ٹھہر پتر...

ایک کونے میں رکھی لائٹی لاکر اس کے ہاتھ میں دیتی ہے۔

فرید :- (لائٹی کو پرے کرتا ہے) مجھے اس کی ضرورت نہیں اماں جی۔ میں دیکھ سکتا ہوں۔

دروازے کو ٹول کر۔

چلا جاتا ہے۔ اماں لائٹی کی طرف دیکھتی ہے اور پھر روتی ہوئی پرے پھینک دیتی ہے۔

CUT

آٹھواں منظر

وہی گلی۔ فرید بڑے اطمینان سے چل رہا ہے۔ صرف اُن تین چیزوں کو باری باری چھو کر چلتا ہے۔ جن کو پہلے چھوتا تھا۔ کیمرا اس کے ہاتھوں پر جو ان چیزوں کو چھو رہے ہیں۔ کبھی گلی میں۔ کبھی کسی سڑک پر۔ باغ میں۔ دروازے پر اور یہیں سے وہ ہاتھ بڑے ہوتے ہیں۔ فرید اب شہر میں ہے۔ ایم اے کا طالب علم ہے۔ ہوسٹل میں رہتا ہے۔۔۔ وہ اپنے آس پاس کو اتنی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے اندھے ہونے کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ صرف اس کا ہاتھ کبھی کبھی چھونے کے لیے آگے آتا ہے اس کی آنکھیں بھی نارمل حرکت میں ہوتی ہیں۔ اور وہ بات سنتے ہوئے چہرہ مخاطب کی جانب کر لیتا ہے۔

مونٹاژ

فرید کالج میں۔ کلاس میں۔ ہوسٹل میں۔ دوستوں کے ساتھ۔ لائبریری میں ایک دوست کتاب پڑھ رہا ہے اور وہ سن رہا ہے۔

نواں منظر

CUT

کالج یا ہوسٹل کی کینٹین۔ پانچ چھ لڑکیاں لڑکے بیٹھے ہیں۔ ویٹر چائے لاتا ہے۔

اور برتن فریڈ کے آگے رکھتا ہے۔

لڑکی :- لاسیے میں بناتی ہوں۔

لڑکا :- خاتون آپ شاید اس محفل کے آداب نہیں جانتیں۔ یہاں چائے ہمیشہ

فریڈ صاحب بائے ہیں۔

لڑکی :- (حیرت سے) فریڈ صاحب۔

فریڈ بڑے اہتمام اور سلیقے سے چائے بناتا ہے۔ اور پھر پیالیاں سب کو تھماتا ہے۔

فریڈ :- چینی ایک چھوٹا ڈال دی گئی ہے۔ اس سے زیادہ آپ کی صحت کے لیے

مضر ہے۔

لڑکی :- یہ آپ کیسے کر لیتے ہیں فریڈ صاحب ؟

فریڈ :- میں کیا، کیسے کر لیتا ہوں بی بی ؟

لڑکی :- یہی چائے کیسے بنا لیتے ہیں ؟

فریڈ :- جیسے آپ بنا لیتی ہیں۔ ویسے

لڑکی :- لیکن میں تو دیکھ سکتی ہوں۔

فریڈ :- (مسکراتے ہوئے) میں بھی دیکھ سکتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ خوش شکل

ہیں اور اسی لیے آپ کو ذرا لیے دیے رہنے کی عادت ہے۔ آپ نے میسری

بنائی ہوئی چائے کا صرف ایک گھونٹ پی کر پیالی رکھ دی ہے۔ میسرے

کانوں نے پیالی کو میز سے ٹکراتے ہوئے سنا تھا۔ میں بھی دیکھ سکتا ہوں۔

لیکن میرا طریقہ ذرا مختلف ہے۔

لڑکا :- فریڈ نے اپنی معذوری کو مجبوری نہیں بننے دیا۔ ہم سب کو اس پر

بہت فخر ہے۔

لڑکا :- (منہ بنا کر) خاک فخر ہے۔ پچھلی مرتبہ دو مضمون اسے میں نے PREPARE

کروائے۔ امتحان ہوئے۔ یہ فرسٹ ڈویژن میں پاس اور ہم بالکل ہی فیل۔
 لڑکائی :- بھئی میں تو شکر کرتا ہوں کہ یہ دوڑوں میں حصہ نہیں لیتا ورنہ وہاں بھی
 ہمیں پیچھے چھوڑ جاتے۔

فرید :- میں پیچھے رہنا فوراً نہیں کر سکتا۔

لڑکی :- آپ نے کیسے اپنی معذوری کو مجبوری نہیں بننے دیا؟

فرید :- (مسکرا کر) میں معذوری ہی نہیں۔ جسم کا ایک حصہ اگر بیکار ہو جائے تو اس
 کا مطلب یہ تو نہیں کہ سارا جسم ختم ہو گیا ہے۔ آنکھیں نہ ہونا ایک کمی ہے۔
 اور میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کمی کو کم سے کم محسوس کروں۔

لڑکائی :- جس طرح ان صاحب۔

ایک لڑکے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے۔

میں دماغ کی کمی ہے اور یہ بھی اسے کم سے کم محسوس کرتے ہیں۔

ایک لڑکا اندر آ کر فرید کے کان میں سرگوشی کرتا ہے۔

فرید :- معاف کیجئے گا... (اٹھ کر جاتا ہے)

CUT

دسواں منظر

فرید کا کمرہ۔ کمرے میں فرید کی ماں اور بھابی بیٹھے ہیں۔ بھابی کے ہاتھ میں ایک ٹیپ
 ریکارڈر ہے اور ماں نے ایک گٹھڑی اٹھا رکھی ہے۔ فرید کمرے میں داخل ہوتا ہے۔
 اور کھڑا ہو جاتا ہے۔ ماں فرید پتہ کہتی ہے تو اس کی طرف جاتا ہے۔

فرید :- آپ!

دونوں حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھتی ہیں۔

ماں :- تیرا دل اُداس نہیں ہوا تھا فرید۔

فرید :- ہوا تھا اماں جی۔

ماں :- تم خوش تو ہوناں پتر۔

فرید :- جی اماں جی۔

ماں :- مجھ سے کوئی بات کر پتر۔

فرید :- اچھا اماں جی۔

ماں :- جی اماں جی۔ اچھا اماں جی... شہر میں آکر بھی باتیں کرنا نہیں سیکھا۔

فرید :- بھابی... بھائیے کا کوئی خط پتر۔

بھابی :- (روہانسی ہو کر) اُدھرا بو دو بی سے آیا ہے شادی کی ہے اور چوتھے

روز فلائٹ پر واپس... نہ یہ کوئی بات ہے۔ ہر مہینے دن سوتے جوڑے

بھیجتا ہے کسی نہ کسی کے ساتھ... میں نے پھوکنے ہیں جوڑے... اب

اس مہینے یہ ٹیپ ریکارڈ ریجج دیلے ہے۔ انگریزی کیسٹوں والا۔ نہ میں نے

پھوکنے ہے ٹیپ ریکارڈر۔ بے تو رکھ لے فرید۔

فرید :- لیکن بھائیے نے یہ آپ کے لیے بھیجا ہے۔

بھابی :- تیرے کام آئے گا۔ تو کلاس میں لے جا کے ریکارڈ کر لینا جو کچھ پڑھانے

ہیں، اور پھر یہاں آکر سن لینا۔

ماں :- رکھ لے۔ اصل میں خورشید تمہیں صرف ٹیپ ریکارڈر دینے کے لیے

ہی آئی ہے۔ اور ہاں بلقیس کی ماں نے عجیب بات کی ہے۔ ایک دن منہ

پھاڑ کر کہنے لگی رشتہ تو آنکھوں والے کے ساتھ کیا تھا اس کے

ساتھ نہیں۔

بھابی :- لومیرے ویرگورشتوں کی کمی ہے۔ آج ہاں کرے تو چناب کے کنارے

کی کوئی سوہنی ڈھونڈ لاؤں۔

ماں :- ویسے تو بقیس اسی شام آئی تھی۔ اس تئی نے تو رو رو کے برا حال کر لیا۔

فرید :- کیا کہتی تھی ؟

ماں :- کہتی تھی مجھے فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔۔ پر پتر اس کی ماں نے جواب دے دیا ہے تو۔۔۔۔۔

بھابی :- اماں شام سے پہلے پہنچنا ہے۔ اٹھ۔

ماں :- تو پتر اب جلدی آ اور اپنا گھر سنبھال۔ میری ہڈیوں اور گھٹنوں میں اب طاقت نہیں رہی۔

فرید :- میں فائنل کے فوراً بعد آ جاؤں گا۔ میں نے کون سی نوکری کرنی ہے زمین جو ٹھیکے پر دے رکھی ہے۔ اسے خود کاشت کروں گا۔

اماں دروازے کے قریب جا کر رکتی ہے۔

ماں :- فرید۔ میرے پاس آ پتر۔

فرید قریب آتا ہے تو اماں کنگھی نکال کر اس کی جانب دیکھتی ہے۔

دیکھو تیرا چہرہ پیرسیدھا نہیں۔

اس کے بالوں میں کنگھی کرتی ہے اور اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔

اللہ نگہبان میرے بچے۔۔۔

دونوں جاتی ہیں فرید ٹیپ ریکارڈر چھو کر دیکھتا ہے۔ پھر اُسے آن کرتا ہے۔

9 JUST CALLED TO SAY THAT 9

LOVED YOU

اندھے گلوکار سیٹوی ونڈرز کا گانا سنتا ہے، اور اس پر اثر

ہوتا ہے۔

CUT

گیارہواں منظر

فرید کلاس میں۔ پروفیسر کی بات غور سے سن رہا ہے۔ کلاس سے نکل رہا ہے
وغیرہ وغیرہ۔

CUT

بارہواں منظر

کالج یا یونیورسٹی کے کلاس روم سے لڑکیاں اور لڑکے نکل رہے ہیں۔ ان میں نئی لڑکی سویرا
شہریار بھی ہے۔ وہ ایک بے حد امیر باپ کی اکلوتی بیٹی ہے اور اس میں کچھ مردانگی
ہے یعنی بڑے یقین کے ساتھ اور بغیر ڈر سے بات چیت کرتی ہے۔ سیدھی ہو کر چلتی
ہے۔ خوش شکل ہے اور آنکھیں بے حد خوب صورت ہیں۔ باہر نکل کر ایک پنج پر
جا بیٹھتی ہے۔ کچھ دور باقی تینوں لڑکیاں بیٹھ جاتی ہیں۔
لڑکی ۱۔ مجھے تو بڑی بددماغ لگتی ہے۔

۲۔ لو پھیپے سے رہنے والی تو حافظ آباد کی ہے ناں...

۳۔ کیوں بھی حافظ آباد میں بندے نہیں رہتے۔ میں خود کالا شاہ کاکو کی
رہنے والی ہوں۔

۴۔ تمہاری بات اور ہے۔ سنا ہے اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ بلکہ
باپ کی۔ اور بابا بہت زبردست امیر ہے۔

۵۔ ویسے بھئی یہ تو مانو ہی مانو کہ خوب صورت بہت ہے۔ اور کیا آنکھیں ہیں

جیسے سیاہ تتلیاں پھڑک رہی ہوں ، جیسے دو گہری جمیلیں ہوں ۔

۲۔ حافظ آباد میں تو چھپٹر وغیرہ ہوتے ہیں ، مانی ڈیر ، جمیلیں نہیں ۔

اتنی دیر میں سویرا اپنے پنخ سے اٹھتی ہے اور ان تینوں کے پاس آجاتی ہے ۔

سویرا :- السلام علیکم ۔

۱۔ ۲۔ ۳۔ :- وعلیکم السلام ۔

سویرا :- میرا نام سویرا شہریار ہے ۔

۳۔ :- یہ کلثوم ہیں ۔ ادھر طاہرہ اور میں جمیلہ ہوں ، آئیے ، بیٹھئے ۔

سویرا :- میں آج کے لیکچر کے نوٹس نہیں لے سکی ۔ پہلا دن تھا ناں ۔ کیا آپ مجھے اپنے نوٹس ایک دن کے لیے دے سکتی ہیں ۔ نقل کر کے واپس کر دوں گی ۔

۳۔ :- (نوٹس دیتے ہوئے) کچھ اتنے شاندار تو نہیں بہر حال ...

سویرا :- شکریہ ۔

چاروں کچھ دیر چُپ رہتی ہیں ۔

سویرا :- دیکھیں ابھی ہمیں پورے چھ ماہ اکٹھے رہنا ہے کیا ہم سب اس طرح چُپ

بیٹھی رہیں گی ؟

۲۔ :- آپ ہی کوئی بات کریں ۔ (مسکراتی ہے) ۔

سویرا :- ہم لوگ حافظ آباد کے رہنے والے ہیں ۔

تینوں ہنسنے لگتی ہیں سویرا حیران ہو کر دیکھتی ہے ۔

۱۔ :- اور جمیلہ کالا شاہ کاکو کی رہنے والی ہے ۔

پھر ہنستی ہیں لیکن سویرا کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں ہنسن رہی ہیں ۔

سویرا :- وہاں ہیں اپنے ابو کے ساتھ رہتی ہوں ۔

۲۔ :- اور اتنی ؟

سویرا :- وہ نہیں ہیں۔ صرف ابو ہیں اور میں۔ پہلے میں اسلام آباد میں پڑھتی تھی۔ اور اپنی ایک خالہ کے پاس رہتی تھی، خالو کی ٹرانسفر ہو گئی تو مجھے یہاں آنا پڑا۔

وہ تینوں بڑے غور سے اس کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔

آپ لوگ میری طرف اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی ہیں۔

۱۔ بالکل سیاہ تیلیوں کی طرح پھٹک رہی ہیں۔

۲۔ اور جھیلیں۔

۳۔ سبحان اللہ۔

سویرا :- میں سمجھی نہیں۔

۱۔ یہ مخلوق بڑی بدتمیز ہے۔ آپ اسے چند روز میں سمجھ جائیں گی۔

فرید قریب سے گزر رہا ہے۔ اس طرح چل رہا ہے کہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ نابینا

ہے....

جمیلہ :- فرید صاحب، ذرا ادھر تشریف لائیے۔

فرید مڑتا ہے اور ان کے قریب آ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

فرید :- جی فرمائیے۔

۱۔ آپ کے پاس چیونگم ہوتی ہے۔ ذرا ہم بے چاروں کو ایک ایک چیونگم تو کھلائیے۔

فرید مسکرا کر جیب میں سے تین چیونگم دیتا ہے۔

۲۔ ایک اور۔ سویرا شہریار کے لیے۔ یہ آج پہلے دن آئی ہیں۔

فرید :- انہوں نے تنقید کے حوالے سے بہت پر مغز سوالات کیے تھے کلاس میں۔

چوتھی چیونگم نکال کر آگے کرتا ہے، سویرا ہاتھ بڑھاتی ہے۔ فرید کا ہاتھ وہیں ہے۔

سویرا جھنجھلا کر آگے بڑھ کر اٹھاتی ہے۔ ان کے ہاتھ مس ہوتے ہیں۔ فرید کے چہرے
کاری ایکشن۔ سویرا سمجھتی ہے کہ اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔ ہنڈا ناپسند
کرتی ہے۔

سویرا :- اگر آپ کسی ڈرامے میں اندھے کا کردار ادا کر رہے ہیں تو کم از کم اس کی
ریہرسل یہاں تو نہ کریں۔

فرید :- جی۔

جمیلہ :- (گھبرا کر) دراصل سویرا صاحبہ - میرا خیال ہے اگلے لیکچر کا وقت
ہو گیا ہے۔

۲۱۱ :- ہاں چلنا چاہیے۔

وہ تینوں اس صورت حال سے نکلنے کے لیے جلدی سے چلی جاتی ہیں۔ سویرا بھی
جانے لگتی ہے۔

فرید :- مس سویرا (سویرا مڑتی ہے) میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ مجھے
اندھے کا کردار ادا کرنے کے لیے کسی خاص ریہرسل کی ضرورت نہیں۔

سویرا پزیرا بکثاف ہوتا ہے کہ وہ تو سچ سچ اندھا ہے۔ اس کاری ایکشن۔

CUT

تیرہواں منظر

کینٹین - فرید اپنے ہم جماعت لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا ہے۔

فرید :- مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں معذور افراد کو معاشرے کے بہاد سے

الگ کر کے کنارے پر بٹھا دیا جاتا ہے کہ بھی تم تو بے چارے نابینا ہو، چل

پھر نہیں سکتے، اپنا بچ ہو اس لیے ادھر بیٹھے رہو..... ہم تمہیں دیکھ کر

چہرے پر افسوس اور رنج کے جذبات لے آئیں گے... زبان سے چچ چچ کریں... ہمدردی کریں گے... لیکن تمہیں اپنے ساتھ ساتھ نہیں چلائیں گے... تو جناب میں تو ساتھ ساتھ چلوں گا۔

لڑکا :- (دہنس کر) بس ساتھ ساتھ ہی چلو۔ تم تو ہم سے آگے نکل جاتے ہو۔
فرید :- پہلے میری آنکھیں تھیں، اب نہیں ہیں... اس کے علاوہ تو میرے پاس وہ سب کچھ ہے جو دوسرے انسانوں کے پاس ہوتا ہے... یوں بھی اللہ تعالیٰ کا یہ نظام ہے کہ اگر انسان کی ایک حس چھین جائے تو اس کی بقیہ حسیں پہلے سے تیز ہو جاتی ہیں تو جناب کوئی چیز کم نہیں ہوتی... حساب برابر ہوتا ہے۔

لڑکا :- یا ایک چیز تو تم مس کرتے ہو گے!

فرید :- کون سی؟

لڑکا :- کسی حسین چہرے کو دیکھنا...

فرید :- نہیں... بہت زیادہ نہیں... آپ نہیں جانتے کہ آواز میں چہرے کا حسن بھی رچا ہوتا ہے۔ مجھے آواز الگ آتی ہے اور حسن کی پائل کالوں میں الگ چھنکتی ہے۔

تمام لڑکے :- واہ واہ سبحان اللہ۔

فرید :- اگر آنکھیں نہ ہونے سے انسان حسن نہ دیکھ سکتا تو پھر ہومراور ملٹن

شاعر نہ ہوتے... اور بیٹھوون اتنا بڑا موسیقار نہ ہوتا... میں ان

دنوں ایک امریکی موسیقار سیٹھی ونڈرز کی کیسٹ سن رہا ہوں...

وہ بھی مجھ ایسا ہے۔

لڑکا :- یوں تو ڈاکٹر طہ حسین اتنے بڑے جید عالم تھے اور پیدائشی نابینا تھے۔

لڑکی لڑکی :- اوہ سویرا حافظ آبادی تشریف لارہی ہیں۔

سویرا آتی ہے سنجیدہ اور خاموش۔ سب لوگ انتظار کرتے ہیں کہ بات کرے۔ بالآخر

فرید کے سامنے کھڑے ہو کر کہتی ہے۔

سویرا :- فرید صاحب۔

فرید :- جی مس سویرا۔

وہ چائے بنا رہا ہے۔

سویرا :- دراصل آنکھیں میری نہیں تھیں جو آپ کو نہ دیکھ سکی ... میں اپنی حماقت

کی معافی چاہتی ہوں۔

فرید :- انسان غلطیوں کا پتلا ہے ...

لڑکا :- (سرگوشی میں) یہ تو پتلی ہے۔

سویرا :- آپ کے کسی انداز سے شک نہیں ہوتا تھا ... کہ آپ ... اور میں

سمجھی ... کہ آپ جس طرح کے لڑکے ہوتے ہیں آج کل ... لڑکیوں کی توجہ

حاصل کرنے کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔

فرید :- آپ تشریف رکھیے۔ (چائے کی پیالی بنا چکا ہے) چینی ایک چمچہ۔ اس سے

زیادہ آپ کے لیے مضر ہے ...

سب لوگ ہنستے ہیں۔

— CUT —

چودہواں منظر

سویرا کا چہرہ جو بار بار مڑ کر چھپے دیکھ رہا ہے ... جیسے فرید کو دیکھ رہی ہو۔

— CUT —

پندرہواں منظر

ایک عالی شان حویلی۔ ایک راہداری۔ شاندار ڈرائیونگ روم۔ ایک صاف ستھرا ملازم چائے کی ٹرالی دھکیلتا چل رہا ہے۔ ڈرائیونگ روم میں داخل ہوتا ہے یہاں شہریار بیٹھا ہوا ہے۔ ایک انتہائی وجیہہ اور بارعب بوڑھا ہو سکے تو اس کی آنکھیں بھی خوب صورت اور بڑی بڑی ہوں۔ نہایت نفاست سے ملبوس ہے۔ ڈرائیونگ روم میں مختلف نوادرات رکھے ہیں۔ خاص طور پر نازک قسم کے بہت سارے گلدان ہیں۔ وہ ایک گلدان کے نقش و نگار دیکھ رہا ہے۔ اور خوش ہو رہا ہے۔ ملازم چائے کی ٹرالی لاتا ہے۔ شہریار خود چائے بنا تا ہے۔ پہلی بسپ لیتا ہے۔ اور مسکرا کر کہتا ہے۔ ”سویرا... بیٹی اب چھپنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ چائے تمہارے ہاتھوں کی بنی ہوئی ہے... سویرا...“ سویرا ایک ستون کے پیچھے چھپی ہوئی ہے، جھانکتی ہے۔

سویرا۔۔۔ ہیلو ابو ڈیر...

ہنستی ہوئی آتی ہے اور شہریار سے ملتی ہے۔ شہریار چل نہیں سکتا۔ لیکن اس منظر میں یہ نہیں بتایا جاتا۔

شہریار۔۔۔ جب بھی آتی ہو، پہلے کچن میں جاتی ہو اور میرے لیے چائے بنا کر بھیج دیتی ہو... اور پھر بچوں کی طرح چھپ جاتی ہو۔

سویرا۔۔۔ لیکن آپ ہمیشہ جان جاتے ہیں... کیسے ابو... کوئی ESP وغیرہ کا چکر ہے۔

شہریار۔۔۔ محبت تو ہے ہی AXTRA SENSORY PERCEPTION

حسیات سے پرے اور ہوتا ہے۔ جو جاگتا ہے... میں نے چائے کا پہلا گھونٹ

بھرا تو اس میں تمہاری انگلیوں کی خوشبو تھی۔ (سویرا اپنی انگلیوں کو سونگھ کر منہ بناتی ہے) میری آنکھیں بند ہوں تو بھی جان جاؤں کہ تم کمرے میں داخل ہو گئی ہو۔

سویرا :- اگر آنکھیں بند ہوں تو بھی آؤ۔۔۔۔۔

شہریار :- ہاں۔۔۔

سویرا :- کوئی بھی کمرے میں داخل ہو یا صرف میں۔۔۔۔۔

شہریار :- صرف تم۔۔۔۔۔ کیونکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اس لیے صرف تم، اسلام آباد

کے بعد لاہور کچھ بیک ورڈ نہیں لگا۔۔۔

سویرا :- صرف عمارتیں۔۔۔ لوگ نہیں۔۔۔

شہریار :- ہوٹل کا EXPERIENCE کیسا لگا؟

سویرا :- ٹھیک ہے۔۔۔ (سر ہا کر) ٹھیک ہے۔۔۔ خود یہاں عیش کر رہے ہیں۔

اور مجھے وہاں تعلیم کے یہاں ایک چھوٹے سے کمرے میں قید کر رکھا ہے۔

شہریار :- قید تو میں ہوں بیٹے۔۔۔ پتہ نہیں کب رہائی کا حکم آتا ہے۔

سویرا :- (پاس آ کر) اب آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔۔۔ آپ کی صحت تو ماٹار اللہ

اب بہت اچھی ہے۔

شہریار :- پچھلے ماہ میرے ایک صحت مند دوست کا انتقال ہو گیا۔ میں نے اس

کے ڈاکٹر سے وجہ پوچھی تو کہنے لگا۔ کبھی کبھار بالکل صحت مند آدمی کا دل یکدم

ساکت ہو جاتا ہے۔۔۔ اور جہاں ہوتا ہے جیسا ہوتا ہے، ایک سیکنڈ میں ختم

ہو جاتا ہے۔۔۔ بلکہ رہا ہو جاتا ہے۔“

سویرا :- (بیگ میں سے ایک گلدان نکال کر) یہ دیکھئے ابو۔

شہریار :- (بے حد خوش) سویرا بیٹے یہ۔۔۔ یہ تو۔۔۔ منگ خاندان کے عہد

کا ہے... واہ واہ کیا نزاکت ہے۔ پھول بوٹوں میں... تم نے کہاں سے لیا...۔

سویرا :- تحفے کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا کرتے... مجھے معلوم ہے کہ خوبصورت گلداں آپ کی کمزوری ہیں...۔

شہرپیار :- خوبصورت گلداں اور تم... تمہاری امی... وہ پھولوں... وہ ہر وقت پھولوں کو اپنے سامنے رکھتی تھی... کہتی تھی کہ میں پھولوں پر نظر جماتی ہوں۔ تو سانس چلتا ہے۔ ورنہ رکتا ہے... سانس تو اس کا رک ہی گیا... اور یہ گلداں رہ گئے...۔

سویرا :- امی کمرے میں داخل ہوتی تھیں تو بھی بند آنکھوں کے باوجود آپ کو پتہ چل جاتا تھا ابو۔

شہرپیار :- ہاں... تم ہفتے کی صبح کو جاؤ گی ناں... میں اب بہت تنہا ہو جاتا ہوں۔ تم امتحان دے لو... پھر... اچھا تو نہیں لگتا۔ لیکن میری خواہش ہے کہ شادی کے بعد تم میرے پاس رہو۔ یہ حویلی... بیٹے آپ کچھ ریسیٹ کر لو ناں... اتنی لمبی ڈرائیو کر کے آئی ہو... سویرا :- اچھا ابو۔

CUT

سولہواں منظر

نہر کا کنارہ۔ فٹ پاتھ پر فریڈ چل رہا ہے۔ دوسری جانب سویرا آہستہ آہستہ کار چلا رہی ہے۔ کافی دیر تک وہ اُسے مگن ہو کر دیکھتی رہتی ہے۔ بالآخر فریڈ کھڑا ہو جاتا ہے۔ کار بھی رک جاتی ہے۔

فرید :- مس سویرا کیا یہ آپ ہیں ؟

سویرا :- (میران ہو کر) ہاں ... لیکن آپ ... آپ کو کیسے معلوم ہو گیا .

فرید :- آپ کی کار کے انجن کی خاص آواز ...

سویرا :- آپ میرے ساتھ آجائیں ، میں بھی کالج ہی جا رہی ہوں ...

فرید :- لیکن میں تو کالج نہیں جا رہا .

سویرا :- آپ کہاں جا رہے ہیں ؟

فرید :- سیر کرنے ... پہلے دوپیر بیڈ خالی ہیں ... اگر آپ پسند کریں تو آپ بھی

آجائیں ... دیکھئے کیا خوب صورت منظر ہے .

سویرا کار روک کر اترتی ہے ، اور اس کے ہمراہ چلنے لگتی ہے . باتیں کرتے جاتے ہیں .

اور چلتے جاتے ہیں ... یہاں سے ایک مونتاز شروع ہوتا ہے کہ یہ دونوں آہستہ

آہستہ نزدیک آ رہے ہیں . اگر مناسب ہو تو سٹیوی ونڈرز کا گانا اور لیپ کروا

دیا جائے .

CUT

کسی بھی سیٹ پر - سویرا اور فرید -

فرید :- آنکھیں نہ ہوں تو زندگی گزارنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں .

میں سمجھتا ہوں کہ معذور انسان اگر اپنے آپ پر ترس کھانا اور آنسو بہانا

چھوڑ دے تو آدھے مسئلے حل ہو جاتے ہیں ...

سویرا :- اور باقی آدھے ...

فرید :- ان کے لیے صرف ہمت درکار ہے ... میں پچھلے چھ سات برس سے ہر وہ

کام کر رہا ہوں جو ایک نارمل انسان کرتا ہے . گاڑیوں اور بسوں میں سفر

کرتا ہوں . پڑھتا ہوں . اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھتا ہوں ... اپنے آپ کو

تھوڑا سا ڈسپلنڈ کرنا پڑتا ہے بس۔

سویرا :- آئندہ کے بارے میں کیا سوچا ہے ؟

فرید :- بلقیس کی والدہ اگر انکار نہ کر دیتیں تو اس کے ساتھ شادی کرنا اور

اپنی زمین کی دیکھ بھال کرنا۔

سویرا :- دمسکراتی ہے، یوں بھی تم شاید اب کسی کم پڑھی لکھی لڑکی کے ساتھ

زندگی بسر نہ کر سکو...

فرید :- نہیں میں تو کروں...

سویرا :- دغھے سے، تو پھر بلقیس بیگم سے بات کی جائے ؟

فرید :- بات... پتہ نہیں... ویسے تو اماں جی کہتے تھے کہ بلقیس روتی بہت ہے۔

سویرا :- اچھا اچھا بہت روتی ہے... ٹھیک ہے... ٹھیک ہے فرید جاؤ اپنی

رونے والی ٹریسڈی کوئین کے پاس... خدا حافظ...

جاتی ہے۔

فرید :- (حیرت سے) اب اسے کیا ہوا ہے ؟

CUT

ستر ہواں منظر

فرید اپنے کمرے میں پڑھ رہا ہے۔ ساتھ میں ہلکی آواز میں ٹیپ ریکارڈر بھی چل

رہا ہے۔ سویرا اندر آتی ہے اور خاموشی سے کھڑی ہو جاتی ہے۔

فرید :- (تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر) سویرا، (خاموش رہتی ہے) مجھے معلوم

ہے تم ہو...

سویرا :- کوئی بھی کمرے میں داخل ہو جاتا تو تمہیں معلوم ہو جاتا؟

فرید :- نہیں صرف اماں جی ... اور اب تم ...
سویرا پر شہریار کی آواز اور ریپ ہوتی ہے . صرف تم ... کیونکہ میں تم سے محبت
کرتا ہوں اس لیے صرف تم ...
سویرا مسکراتی ہوئی چلی جاتی ہے .

CUT

اٹھارہواں منظر

امتحان ہو رہے ہیں . سویرا ، اور باقی لوگ تو لکھ رہے ہیں . جب کہ فرید کے ہمراہ
ایک نوجوان لڑکا ہے . فرید کو پیپر پڑھ کر سناتا ہے اور فرید جو کچھ بتاتا ہے وہ پرچے
پر لکھتا جاتا ہے .

CUT

انیسواں منظر

فرید کا ہوسٹل . اس کے دوست پکینگ کر رہے ہیں . گھروں کو لوٹ رہے ہیں .
لڑکا :- (کمرے میں جھانکتے ہوئے) اوہ صاحب بہادر جانا نہیں ہے اس
پھیپھر جگہ سے ... اب کیا ضرورت ہے یہاں رہنے کی ... امتحان تو
ختم ہو گئے .

فرید :- میں کل جاؤں گا ... خدا حافظ !
لڑکا :- اگر تین بجے کی گاڑی پر جانا ہے تو میرے ساتھ آ جاؤ فرید ... نہیں
تو خدا حافظ ...

فرید :- شکریہ ... خدا حافظ

لڑکا :- اللہ تیرا شکر ہے۔ فرید صاحب آج شام میں اپنی پیاری امی کے پاس بیٹھا ویسی گھی کے پراٹھے کھا رہا ہوں گا اور آپ کینٹین کی سڑی ہوتی روٹیاں کھا رہے ہوں گے۔ خدا حافظ۔

سویرا آتی ہے۔ سانس چڑھا ہوا۔ اندر جھانکتی ہے اور پھر اسے اطمینان ہوتا ہے۔

سویرا :- مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم بھی امتحان سے فارغ ہوتے ہی یہاں سے بھاگ نہ جاؤ۔۔۔۔

فرید :- میں نے دراصل اماں جی اور بھابی کے لیے ایک دو جوڑے خریدنے تھے اس لئے ٹرک گیا۔

سویرا :- بلیس کے لیے کچھ نہیں خریدنا؟

فرید :- اس لمحے اگر اس معصوم دیہاتی لڑکی کو معلوم ہو جائے کہ ایک انتہائی پڑھی لکھی اور خوب صورت لڑکی صرف اس کی وجہ سے جل جل کر کباب ہوتی جاتی ہے تو وہ کیا کہے۔۔۔

سویرا :- میں خواہ مخواہ۔۔۔ اچھا اب آپ ذرا اٹھے اور میرے ساتھ چلئے۔۔۔ فرید :- کہاں؟

سویرا :- جہاں میں لے چلوں۔۔۔

فرید :- کوئی بہت خفیہ پروگرام ہے؟

سویرا :- ہاں۔۔۔ (اس کا بازو تھام لیتی ہے) اور یہ ٹیپ ریکارڈر بھی لے چلو۔ ہاں ہاں لے چلو

CUT

بیسواں منظر

دونوں کار پر جا رہے ہیں، کوئی ایک مقام جہاں ارد گرد جنگل ہو بہت سارے

درخت ہوں، درختوں کے قریب کار کھڑی ہوتی ہے، فرید حیران ہے کہ یہاں کیوں لائی ہے، وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر جنگل میں چل رہی ہے۔ پھر ایک نسبتاً صاف جگہ آتی ہے، یہاں ایک میز ہے، اس پر ایک کیک ہے اور ایک موم بتی جل رہی ہے، صرف دو کرسیاں ہیں، سویرا ٹیپ ریکارڈر بھی وہیں رکھ دیتی ہے، اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک کرسی پر بٹھاتی ہے اور خود سامنے بیٹھ جاتی ہے۔

سویرا :- میری طرف دیکھو فرید۔

فرید :- (مسکرا کر) اچھا۔

سویرا :- میں سویرا ہوں۔

فرید :- وہ تو تم ہو....

سویرا :- تم مجھے پیپی برتھ ڈے نہیں کہو گے فرید....

فرید :- برتھ ڈے - تمہاری!... کیا ہو رہا ہے سویرا....

سویرا :- ہم ایک گھنے جنگل کے درمیان میں بیٹھے ہیں، میز پر میری ساگرہ کا

کیک ہے اور ایک موم بتی روشن ہے۔

فرید :- اچھا... (ہاتھ آگے کر کے) ہاں بہت تپش ہے اس میں۔

سویرا :- بہت تپش ہے فرید... بہت زیادہ۔

فرید :- پیپی برتھ ڈے ٹو سویرا....

سویرا :- نہیں ابھی نہیں۔

وہ موم بتی کو پھونک مار کر بجھاتی ہے۔ اور پھر وہی پھونک فرید کے چہرے پر اور

پھر کیک کا شتی ہے، فرید تالیاں بجا کر کہتا ہے، پیپی برتھ ڈے ٹو سویرا..“

ٹیپ ریکارڈر پر سٹیوی ونڈرر کا گانا کیمرا پل آؤٹ کرتا ہے اور جنگل دکھائی دیتا ہے۔

اکیسواں منظر

ایک ٹرین جا رہی ہے... ایک کار جا رہی ہے۔

CUT

بائیسواں منظر

فرید واپس اپنے قصبے میں۔ اس کی تنہائی دکھانے کے لیے چند سٹائٹس۔ گلی میں چل رہا ہے۔ صحن میں ٹہل رہا ہے... سویرا کے کچھ مکالمے اور لیپ ہو رہے ہیں۔ آخر میں اسی کونے میں جا کر اسی انداز میں گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ جیسے بچپن میں بیٹھا کرتا تھا اماں داخل ہوتی ہے۔

ماں :- ماں واری کہاں چلے گئے ہو... میں خیری صلی وہاں کونے میں کیوں بیٹھے ہوئے ہو۔ د پاس جاتی ہے، کیا بات ہے۔ اب یہاں دل نہیں لگتا۔

فرید :- لگتا ہے ماں جی۔

ماں :- تو اگر کہے تو میں بلقیس کی ماں سے بات کر لیتی ہوں، خیر سے تو اب ایم اے ہو جائے گا۔ چار جماعت پڑھی ہوئی لڑکی کو سولہاں جماعتیں والے گا کہیں سے؟

فرید :- نہیں اماں جی۔

ماں :- نہیں کیا... لے میں جو مرضی آئے کروں... کنگھی نہیں نہ کی ٹھیک سے... اچھا پہلے روٹی کھالے، نورشید خورشید بجائی کے لیے پانی لا

CUT

جلدی سے۔

تائیسواں منظر

شہریار کی حویلی۔ وہ حسب معمول بیٹھا ہوا ہے، ہم گفتگو کو درمیان میں پکڑتے ہیں۔

شہریار :- نازک گلدران کھر درے ہاتھوں میں آئیں تو وہ ٹوٹ سکتے ہیں۔

سویرا :- دراصل آپ نے فریڈ کو دیکھا نہیں ہے اس لیے۔

شہریار :- صرف دیکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ کھر در اپن تو دھیرے دھیرے دقت گزرنے سے عیاں ہوتا ہے... سویرا... سویرا... مجھے سوائے تمہارے چہرے پر کھیلتی مسکراہٹ کے اور کچھ نہیں چاہیے... یہ (ہاتھ پھیلا کر) بہت کچھ ہے میرے پاس...

سویرا :- میرے پاس بھی تو بہت کچھ ہونا چاہیے ابو...۔

شہریار :- یہ سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔

سویرا :- اس کے علاوہ ابو... اس کے علاوہ...۔

شہریار :- اس کے علاوہ جو تم چاہو سویرا... لیکن میری بھی ایک شرط ہے۔

سویرا :- وہ کیا ابو...۔

شہریار :- میں اس سے ملنا چاہتا ہوں... علیحدگی میں کچھ MAN TO MAN گفتگو کرنا چاہوں گا۔

سویرا :- (خوش ہو کر) ٹھیک ہے ابو۔

شہریار :- اور سویرا۔

سویرا :- جی ابو۔

شہریار :- آخری فیصلہ میرا ہوگا... اور تم اس کی پابند ہوگی... ٹھیک ہے؟

سویرا :- مجھے معلوم ہے آپ میرے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتے۔

تیزی سے جانے لگتی ہے۔

شہریار :- کہاں جا رہی ہو ؟

سویرا :- فرید کو لینے۔

شہریار :- لیکن اس وقت ؟ ... بیٹے ... صبح چلی جانا۔

سویرا :- نہیں اب اس کیے رات اور دن کا کوئی فرق نہیں اور میرے لیے

اس کے بغیر رات اور دن ایک جیسے ہیں ...

سویرا جاتی ہے۔ رات کا وقت۔ فرید اسی کونے میں بیٹھتا ہے۔ آہٹ ہوتی ہے۔

وہ سر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ سویرا آئی ہے۔ لیکن یہ اماں صبح ہیں۔

اماں جی :- بیٹے اٹھو بستر پر بیٹ جاؤ ... تمہارا طبیعت تو ٹھیک ہے ناں ؟

فرید :- جی اماں جی۔

اماں جی :- پر اس کونے میں بیٹھے کر کیا رہے ہو ؟

فرید :- کچھ نہیں اماں جی۔

اماں جی :- اچھا جیسے تمہاری مرضی۔

CUT

چوبیسواں منظر

رات کے وقت سویرا گاڑی چلا رہی ہے شاہراہ پر۔

CUT

فرید سر جھکائے کونے میں بیٹھا ہے۔

CUT

سویرا کا بہت تیز چلارہی ہے

CUT

فرید بیٹھا ہے۔

———— CUT ————

سویرا کی کار۔ سامنے سے آتی ٹریفک کی روشنیاں۔

———— CUT ————

پچیسواں منظر

فرید کو لونگ میں رکھ کر آہستہ آہستہ زوم ان کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ کار چلنے کی آواز... جس وقت فرید کے چہرے پر جاتے ہیں۔ کمریش کی آواز آتی ہے۔ فرید اس طرح ری ایکٹ کرتا ہے، جیسے اس کا حادثہ ہو رہا ہو... ایمبولنس کا ہارن...

———— CUT ————

پچیسواں منظر

ہسپتال میں سٹریچر پر ڈالے لیے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر۔ نرسیں۔ بھاگ دوڑ۔ کمرے کے باہر دو ڈاکٹر۔ ایک سینئر۔ ایک جونیئر۔

جونئر :- سر کچھ امید ہے؟

سینئر :- ٹوٹلی سمیش آپ ہے۔ ہڈیاں چورا ہو چکی ہیں...

جونئر :- تو پھر؟

سینئر :- (سر ہلاتا ہے) لواحقین کو اطلاع ہو چکی؟

جونئر :- جی... کسی کو بھیجا ہوا ہے۔

سینئر :- تم درد کی اذیت کم کرنے کیلئے ایک انجکشن لگا دو۔

اندر جاتا ہے۔ انجکشن لگاتا ہے۔ پھر کچھ سوچتا ہے۔ اس کے کان کے قریب منہ لے جاتا ہے۔

جوئیئر :- مس سویرا... مس سویرا... کیا آپ سن سکتی ہیں... میں ڈاکٹر

ناصر ہوں...

وہ کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن کہہ نہیں سکتی۔

کیا آپ اذیت میں ہیں؟

سویرا سر ہلاتی ہے اور پھر ڈاکٹر کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے۔

سویرا :- میں... ختم ہو چکی ہوں...

جوئیئر :- نہیں آپ... ٹھیک...

سویرا :- میں جانتی ہوں...

جوئیئر :- مس سویرا میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں... زندگی

موت خدا کے ہاتھ میں ہے... لیکن آپ کی آنکھیں آپ کی موت کے بعد

بھی زندہ رہ سکتی ہیں...

سویرا :- آنکھیں... کس کی؟

جوئیئر :- آپ کی... اس انسانی برادری کا کوئی ایک فرد جو اس وقت

اندھیروں میں ہے۔ آپ کی آنکھوں کے عطیے سے روشنی اور رنگوں کو دیکھنے

لگے گا... آپ کے جسم کا ایک حصہ زندہ رہے گا مس سویرا۔

سویرا :- میری آنکھیں... زندہ رہیں گی... اور... اگر میں... میری خواہش

ہے کہ ایک شخص کو... اُسے۔

جوئیئر :- جی بالکل... آپ جسے کہیں گی آپ کی آنکھیں دے دی جائیں گی۔ میں

فارم لانا ہوں۔ نرس دھیان رکھنا۔

ڈاکٹر جاتا ہے۔

سویرا... کے چہرے پر... ایک سوچ کی آواز تمہاری آنکھیں زندہ رہیں گی۔ زندہ... زندہ... فرید میں... فرید میں... لیکن کیا یہ قربانی ہے؟ نہیں... یہ قربانی نہیں ہے... یہ تو خود غرضی ہے کہ اپنی پسند کے شخص کے لیے... قربانی تو تب ہے اگر یہ انسانیت کے لیے ہو۔ کسی بھی شخص کے لیے... کسی بھی شخص کے لیے،“

ڈاکٹر آتا ہے۔

ڈاکٹر: جی... آپ کس شخص کو اپنی آنکھیں دینا چاہتی ہیں؟
سویرا: سب کو۔ پوری انسانیت کو... ایک شخص کو نہیں... سب کے لیے...
میری آنکھیں سب کے لیے۔

ڈاکٹر فارم آگے رکھتا ہے۔ وہ سائن کرتی ہے اور مرجاتی ہے۔

———— CUT ————

شہر باریا اپنے وسیع ڈرائیونگ روم میں بیٹھا ہے۔ گھنٹی بجتی ہے۔ بھنویں چڑھا کر دیکھتا ہے۔

———— CUT ————

ستائیسواں منظر

فرید اسی کونے میں بیٹھا ہوا ہے اور صبح ہو چکی ہے۔ اماں آتی ہے۔
اماں: پتراٹھو صبح ہو گئی ہے... اور ہاں تحصیل ہسپتال سے ایک آدمی آیا ہے۔

فرید: (اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے) کیا کہتا ہے؟

اماں :- پتروہاں میں نے درخواست دی ہوئی تھی چوری چوری... وہ کہتے
ہیں بندوبست ہو گیا ہے... تو چل توہی .

CUT

اٹھا پیسواں منظر

فرید ہسپتال میں پٹی اترتی ہے . دیکھتا ہے اسے سویرا کی شبیہ نظر آتی ہے .
اور... وہ اماں جی ہے .

فرید :- کیا مجھے اس شخص کا نام معلوم ہو سکتا ہے ، جس نے مجھے ان خوبصورت
آنکھوں کا تحفہ دیا .

ڈاکٹر :- کوئی ایک شخص جو انسانی برادری سے محبت کرتا تھا... وصیت
میں تحریر ہے کہ نام نہ بتایا جائے .

جاتا ہے ، بستر سے اٹھتا ہے .

اماں :- بیٹے کیا کر رہے ہو ابھی... ابھی آنکھیں کچی ہیں... کہاں جا رہے ہو؟
باہر نکل جاتا ہے .

CUT

اُتیسواں منظر

حویلی میں . ڈرائینگ روم میں گھنٹی بجتی ہے . کیمرو شہریار پر . کوئی ملازم
دروازہ کھولتا ہے . فرید آتا ہے .

فرید :- شہریار صاحب... میرا نام فرید ہے .

شہریار :- چائے پیو گے ؟ لیکن اب چائے میں سویرا کی انگلیوں کی خوشبو

نہیں ہوگی۔

فرید - جی ...

شہریار :- تمہاری آنکھیں بہت خوب صورت ہیں۔ دیکھی ہوئی لگتی ہیں۔

فرید :- یہ میری نہیں کسی کی ہیں۔

شہریار :- کس کی۔

فرید :- پتہ نہیں ... سویرا کہاں ہے؟

شہریار یا اس کی جانب دیکھتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔

CUT

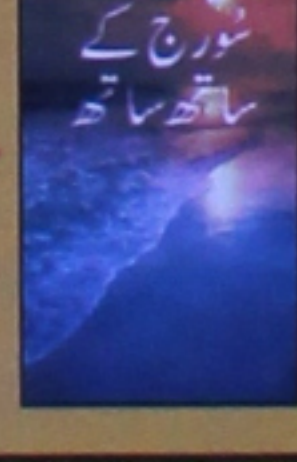
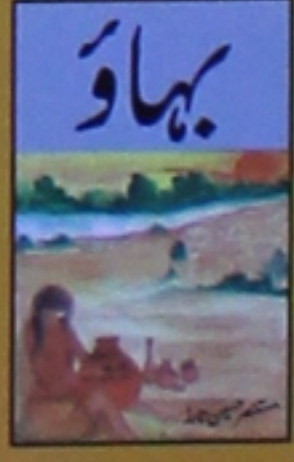
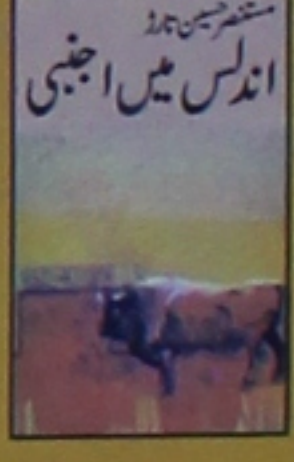
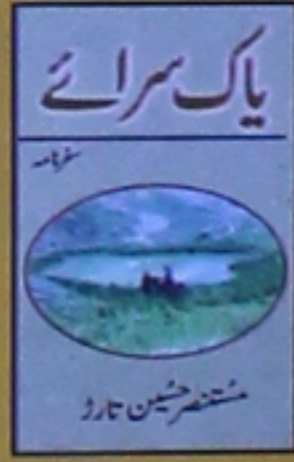
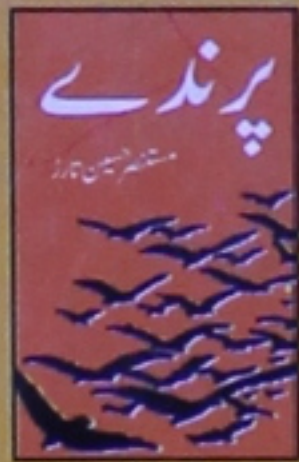
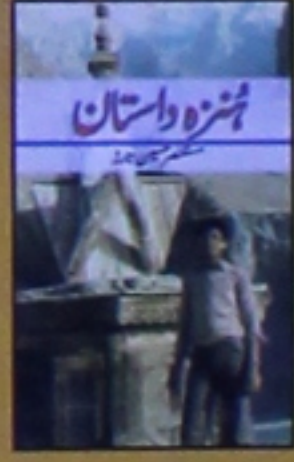
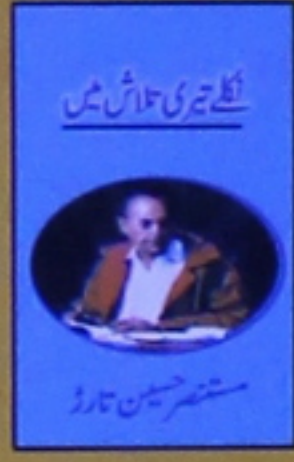
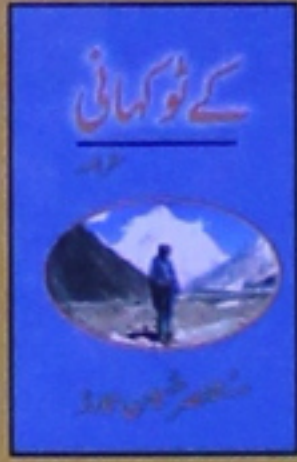
تیسواں منظر

فرید اسی جنگل میں۔ اُن درختوں میں چل رہا ہے۔ جہاں وہ اور سویرا آئے تھے۔
اس مقام پر پہنچتا ہے۔ جہاں انہوں نے پکنک منائی تھی۔ جلی ہوئی موم بتی
گھاس پر پڑی ہے۔ فرید وہاں بیٹھ جاتا ہے، اور اس پر گانا اور لیب
ہوتا ہے۔

"JUST CALLED TO SAY THAT I LOVE YOU"

اختتام

مستنصر حسین تارڑ



Rs. 150.00

www.sang-e-meel.com

ISBN 969-35-0002-4

